تذکرہ

نکات الشعراء

مصنفہ

میر تقی میر

مرتبہ

ڈاکٹر محمود الٰہی
صدر شعبۂ اردو
گورکھپور یونی ورسٹی

اُتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات: ۱۶۵

تذکرۂ
نکات الشعراء

مصنفہ
میر تقی میر

مرتبہ
ڈاکٹر محمود الٰہی
صدر شعبۂ اردو، گورکھپور یونیورسٹی

اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ

© اتر پردیش اردو اکادمی

نکات الشعراء

میر تقی میرؔ

مرتبہ
ڈاکٹر محمود الٰہی

پہلا اکادمی ایڈیشن : ۱۹۸۴

تعداد : ۱۰۰۰

ستیش چندر سربواستو، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے میسرس ایسوسی ایٹڈ جرنلس لمیٹیڈ پریس، بشیشر ناتھ روڈ، لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر اکادمی بلہرہ ہاؤس، قیصر باغ، لکھنؤ سے شائع کی۔

پیش لفظ

کسی زبان میں شائع ہونے والی کتابوں کے موضوعات میں تنوع اس زبان کے فعال اور اس کے ارتقائی عمل کے جاری وساری ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ زندہ زبان کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اس کی کتابیں عہد جدید کے تقاضوں کو پورا کرتی ہوں اور قارئین کو ہمہ جہتی معلومات بہم پہنچاتی ہوں۔

دنیا کی دوسری جدید ترقی یافتہ زبانوں کی طرح اردو میں بھی ادبی، سماجی، سائنسی علوم وغیرہ پر کتابیں ملتی ہیں۔ بعض جدید ترین علوم کے اظہار وابلاغ کے لیے اس کے پاس ابھی وافر ذخیرہ الفاظ نہیں ہے مگر برصغیر کے مختلف اداروں میں اصطلاحات سازی کا کام منصوبہ بند طریقے پر چل رہا ہے اور امید ہے کہ یہ کمی جلد پوری ہو جائے گی۔

اپنے محدود بجٹ اور طباعت وغیرہ کے لیے مقامی طور پر مہیا ناکافی وسائل کے باوجود اتر پردیش اردو اکادمی سال بہ سال جو کتابیں شائع کر رہی ہے ان کو کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے قابلِ لحاظ کہا جا سکتا ہے۔ ان کی قیمتیں بھی بازار کی بہ نسبت کافی کم رکھی جا رہی ہیں۔ بچوں میں مطالعے کا شوق پیدا کرنے کے لیے ان کی دل چسپی کی کتابوں، یونیورسٹی سطح کی نصابی اور حوالے کی کتابوں، تراجم، شعری اور نثری انتخابات اور جد وجہد آزادی سے متعلق ادبی سرمائے کی اشاعت اکادمی کے زیر اہتمام

چل رہی ہے۔

اس کے علاوہ اکادمی کا ایک انتہائی اہم کام، جس کی طرف بالعموم کم توجہ کی جارہی تھی، قدیم ادبی شہ پاروں کی بازآوری اور دوبارہ اشاعت ہے تاکہ ان بنیادی مآخذ تک، جن پر تحقیق و تنقید کا دارومدار ہے، اردو والوں کی رسائی آسان ہوجائے۔

اشاعت کتب کا یہ سلسلہ لاتناہی ہے اور برابر جاری رہے گا۔ زیرنظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور امید ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اس کتاب کو بھی پسند کیا جائے گا۔

محمد رضا انصاری
چیرمین

اتر پردیش اردو اکادمی،
لکھنؤ

ترتیب

مقدمہ مرتب ۹

مقدمہ مصنف ۲۳

تراجم شعراء ۲۴

خاتمہ ۱۶۳

ترقیمہ ۱۶۴

فہرست شعراء

آبرو، نجم الدین (عرف میاں برک شاہ) ۳۰
احسن اللہ ۴۴
احمد گجراتی ۹۹
آرزو، سراج الدین علی خاں ۲۵
آزاد ۹۵
اشتیاق، شاہ ولی اللہ ۲۸
اشرف ۱۰۳
اُمید، قزلباش خاں ۲۸
انسان، اسد یار خاں ۱۲۴
بسمل ۱۴۴
بہار، لالہ ٹیک چند ۱۳۰
بھید، میر سراج سید نوازش خاں ۱۰۶
بیتاب، محمد اسمٰعیل ۸۲
بیچارہ ۱۰۵
بیدار، محمد علی (میر محمدی) ۱۲۶
بیدل، مرزا عبدالقادر ۲۴
بیرنگ، دلاور خاں ۱۴۶
بے نوا ۴۵
پاکباز، میاں صلاح الدین ۸۱
پیام، شرف الدین ۴۳
تاباں، میر عبدالحی ۱۰۹
تجرد، میر عبداللہ ۱۰۷
تمکین، میاں صلاح الدین ۱۳۴
ثاقب، میاں شہاب الدین ۸۹
جعفر ۱۰۴
جعفر زٹلی ۴۶
جگن ۱۳۴
حاتم، شیخ محمد حاتم ۷۷
حزیں، میر محمد باقر ۱۰۸
حسن، میر حسن ۱۳۲
حسن ۱۰۶
حسیب ۱۰۶
حشمت، محمد علی ۱۰۹
حشمت، میر محتشم علی خاں ۷۴

خاکسار، محمد یار ... ۱۱۴
خسرو، امیر خسرو ... ۲۴
خوشنود ... ۱۰۴
دانا، فضل علی ... ۱۲۳
داؤد، مرزا داؤد ... ۱۰۶
درد، خواجہ میر ... ۶۰
درد، کرم اللہ ... ۷۵
دردمند، محمد فقیر ... ۱۱۶
راقم، بندرابن ... ۱۳۸
رسوا ... ۱۱۹
زکی، جعفر علی خاں ... ۱۳۳
سالک ... ۱۰۱
سجاد، میر سجاد ... ۶۶
سراج ... ۹۵
سعادت، سعادت علی ۴۴
سعدی ... ۱۰۵
سلام، نجم الدین ... ۱۲۹
سودا ... ۴۸
شاغل ... ۱۴۶
شعوری ... ۱۰۰
شوق، میاں حسن علی ۱۱۷
صبائی ... ۱۰۱
ضیا، میاں ضیاء الدین ... ۱۳۷
ضیا، مرزا عطا بیگ ۹۹
عاجز، عارف علی خاں ۹۷
عاجز ۱۴۲
عارف، محمد عارف ۱۲۵
عاصی، خواجہ برہان الدین ۱۱۷
عبدالبر ... ۱۰۴
عبدالرحیم ... ۱۰۴
عزلت، سید عبدالولی ۹۳
عزیز اللہ ... ۱۰۵
عشاق ... ۱۴۳
عطا ... ۴۶
غریب، محمد امان اللہ (محمد زماں) ۱۳۴
غواصی ... ۱۰۳
فخری ... ۱۰۲
فضلی ... ۱۰۰
فغاں، اشرف علی خاں ۷۵
قاسم، مرزا ... ۱۰۰
قائم، محمد قائم ... ۱۲۰
قدر ... ۱۴۱

قدرت، قدرت اللہ ۱۴۷

کافر، میر علی نقی ۱۴۱

کلیم، محمد حسین ۵۵

کمترین ۱۴۰

گرامی، مرزا ۲۹

لطفی ۱۰۲

محسن، محمد محسن .. ۱۳۵

محمود ۱۰۱

مخلص، رائے آنند رام ۲۹

مضمون، شرف الدین ۳۴

مظہر، مرزا جان جاں ۲۶

معز، فطرت، موسوی ۳۶

ملک ۱۰۲

موزوں، خواجم قلی خاں ۱۰۷

میر گھاسی ۱۴۳

میر، (میر سوز) ۱۴۴

میر، میر محمد تقی ۱۴۷

ناجی، محمد شاکر ۴۰

نثار، عبدالرسول ۱۳۱

ولی ۹۱

ہاتفی ۱۰۳

ہاشم ۱۰۳

ہدایت، ہدایت اللہ .. ۱۲۵

یکدل، میر عزت اللہ ۱۴۷

یکرنگ، مصطفےٰ خاں ۳۶

یکرو ۸۱

یقین، انعام اللہ خاں ۸۲

یونس، حکیم یونس ۱۰۷

مقدمۂ مُرتّب

شعرائے اُردو کے ان دستیاب تذکروں میں جو شمالی ہند میں لکھے گئے ہیں، نکات الشعراء، تذکرہ ریختہ گویاں اور مخزن نکات کو قدامت کے لحاظ سے اوّلیت حاصل ہے۔ جہاں تک مخزن نکات کا سوال ہے، اس میں ایسے واضح اشارے موجود ہیں جن سے متیقن ہوتا ہے کہ یہ ۱۱۶۰ھ سے پہلے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ نکات الشعراء اور تذکرہ ریختہ گویاں میں تقدم زمانی کسے حاصل ہے۔ موجودہ مواد کی روشنی میں اس سلسلے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی۔ تذکرہ ریختہ گویاں میں ترقیمہ موجود ہے جس پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہنا چاہیئے کہ یہ پانچ محرم الحرام ۱۱۶۶ھ کو مکمل ہوگیا تھا، نکات الشعراء میں نہ تو ترقیمہ ہے اور نہ کوئی دوسری داخلی شہادت جو اس کے زمانۂ تکمیل کی نشاندہی کرسکے۔ ہم زیادہ سے زیادہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ۱۱۶۵ھ میں یہ تذکرہ زیرِ تسوید تھا اور اگر بعض اہم قرائن کے پیشِ نظر ہم ۱۱۶۵ھ کو اس کا نقطۂ تکمیل تسلیم کرلیں تو یہ حقیقت بھی سامنے آئے گی کہ نکات الشعراء کو تذکرہ ریختہ گویاں پر جو تقدم حاصل ہے وہ چند یوم یا چند ماہ سے زیادہ نہیں۔ نکات الشعراء ۱۱۶۵ھ میں زیرِ تسوید تھا اور تذکرہ ریختہ گویاں اسی وقت مکمل ہوا۔ جب ۱۱۶۵ھ کو گزرے ہوئے صرف چار دن ہوئے تھے، ان دونوں تذکروں کے ضمن میں تقدم زمانی کی بحث کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔ اہمیت ہے اس طرزِ فکر کی جس کے عمل اور ردِّ عمل کے یہ دونوں

تذکرے مظاہر ہیں !!

گردیزی نے بڑے معصوم اور نیاز مندانہ انداز میں اپنی تذکرہ نگاری کے محرکات سے دیباچے میں بحث کی ہے۔ ان کی نظر سے بعض تذکرے گزرے تھے جن میں معاصرین کے ساتھ ستم ظریفی روا رکھی گئی تھی اور ہم سروں کی نکتہ چینی کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ اچھے شاعروں کو ان میں جگہ نہیں ملی تھی۔ انھیں ایک ایسا تذکرہ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی جو انصاف پر مبنی ہو۔ میر نے بھی نکات الشعرا کے سبب تالیف پر روشنی ڈالی ہے لیکن انھوں نے ذہانت سے کام لیا اور کہا کہ وہ تذکرہ اس لئے لکھ رہے ہیں کہ صفحۂ روزگار پر ریختہ گویوں کا نام اور کام باقی رہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ان کا تذکرہ کسی اور جذبے کی غمازی کر رہا ہے ـــــ وہی جذبہ جس پر گردیزی چیں بجبیں نظر آتے ہیں۔

میر نے جس زمانے میں دہلی کو اپنا وطن ثانی بنایا۔ وہاں کے شعرا، ذہنی طور پر دو الگ الگ حلقوں میں تقسیم ہو رہے تھے۔ ایک حلقہ خان آرزو کے تلامذہ پر مشتمل تھا اور دوسرے حلقے میں وہ لوگ شامل تھے جو یا تو مرزا مظہر جانِ جاں کے شاگرد تھے یا ان کے معتقد۔ مرزا مظہر کو ایک روحانی پیشوا کی حیثیت سے جو مقام حاصل تھا، اس کا علم سب کو ہے۔ اس حلقے میں شعر گوئی کا کیا معیار تھا، یہ الگ بات ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ اس حلقے کو حسنِ قبول حاصل کرنے کے لئے مرزا مظہر کی نسبت ہی کافی تھی۔ ایسے قرائن نہیں ملتے جن سے ہم یہ شبہ بھی کر سکیں کہ یہ حلقہ میر کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اس کے برعکس، اس حقیقت کے جگہ جگہ اشارے ملتے ہیں کہ یہ حلقہ تلامذۂ مظہر یک دوسرے سے کشاں کشاں رہے۔ میر جیسے اپنے بلند شعر گو ہونے اور اپنے حسنِ فکر کا بجا طور پر ناز تھا، اسے کیونکر برداشت ہو سکتا تھا کہ ان کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کیا جائے۔ شیفتہ مرزا مظہر جانِ جاں

جیسے کسی بزرگ کی پشت پناہی تو حاصل نہیں تھی لیکن خان آرزو کی "قرابت قریبہ" بھی کمتر درجہ کی چیز نہیں تھی۔ خان آرزو کا شمار حمائدین میں ہوتا تھا ان کے بارے میں خود میر کا یہ خیال تھا کہ "ہمہ اُستادان مضبوط فن ریختہ شاگرد آں بزرگوار ند۔" میر نے اپنا رشتہ خان آرزو کے حلقۂ تلامذہ سے جوڑا۔ وہ اپنے گھر شعر گوئی کی مجلسیں منعقد کرنے لگے اور رفتہ رفتہ اس حلقے کے سربراہ بھی ہو گئے۔ نہ صرف مرافعہ کی مجلسوں میں بلکہ نجی ملاقاتوں میں بھی معاصرین کے افکار پر نکتہ چینی کی جاتی تھی ——— اور یہی نکتہ چینی ان دونوں تذکروں کو وجود میں لانے کا سبب بنی۔

یہ دونوں تذکرے معاصرانہ چشمک کے مظاہر ہیں اور ایک کا مطالعہ دوسرے کے مطالعے کے بغیر نامکمل رہے گا۔ ان دونوں کو صدائے احتجاج کی حیثیت حاصل ہے۔ میر نے نکات الشعراء کے ذریعہ انعام اللہ خاں یقین اور مرزا مظہر جانِ جاں کے دوسرے تلامذہ کو ان کی حیثیت سے بلند مقام دیے جانے پر احتجاج کیا ہے، اور گردیزی نے تذکرۂ ریختہ گویاں میں حلقۂ میر کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کی ہے۔ ہمعصروں پر اظہار رائے کرنا یوں بھی بڑا نازک کام ہے اور جب اظہار رائے میں معاصرانہ چشمک کا عمل دخل ہو تو اس میں عدم توازن کا راہ پا جانا ناگزیر سا ہو جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ نکات الشعراء اور تذکرۂ ریختہ گویاں دونوں میں اعتدال و توازن کی کمی ملتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ میر کا موقف بڑی حد تک صحیح تھا اس لئے عدم توازن کے باوصف ان کے تذکرے میں ایک وقار ملتا ہے۔ گردیزی کا احتجاج انفعال آشنا ہے اور یہ اپنی شکست کی آواز معلوم ہوتا ہے۔ وہ شاعری کی بساط پر جن مہروں کی مدد سے میر کو مات دینا چاہتے تھے وہ درماندہ و پا شکستہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ گردیزی کے تذکرے کی قدر و قیمت کم سے کمتر ہوتی گئی اور میر کا نکات الشعراء زیادہ سے زیادہ اہمیت حاصل کرتا گیا

اس اجمال کی تفصیل کہ یہ تذکرے معاصرانہ چشمک کا نتیجہ ہیں، یہ ہے میر نے صرف یہی نہیں کیا کہ احسن اللہ بیان، خواجہ محمد ظاہر خاں ظاہر، شیو سنگھ ظہور، سیتا رام عقدہ اور سلسلۂ مظہر جان جاں کے بعض دوسرے شعراء کا ذکر نہیں کیا بلکہ انعام اللہ خاں یقین، میر محمد باقر حزیں اور محمد فقیہ دردمند کے ساتھ جو مظہر جان جاں کے ارشد تلامذہ میں تھے اور جن کی شاعرانہ حیثیت مسلّم ہو چکی تھی، انصاف نہیں کیا۔ اس زمانے میں مظہر جان جاں شاعری ترک کر چکے تھے اور ان کے حلقۂ تلامذہ کی قیادت انعام اللہ خاں یقین کے حصے میں آ چکی تھی۔ میر نے سخت ترین حملہ یقین ہی پر کیا کہ میر کارواں کو زیر کرنا سب سے بڑی جیت ہوا کرتی ہے۔ میر نے چن چن کر اس حلقے کے شعراء کو ہدف طعن و تشنیع بنایا۔ خاکسار جو براہ راست جان جاں کے شاگرد نہیں تھے لیکن ان کے معتقدوں میں تھے، ان کے ذکر میں بڑے لطیف پیرایے سے مظہر جان جاں کا نام شامل کر دیا گیا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ مظہر جان جاں کی تقلید خاکسار جیسے لوگ کرتے ہیں! اسی طرح قدرت اللہ قدرت کے ترجمے میں "عاجز از سخن است" کا جملہ لکھ دیا گیا۔ مصطفےٰ خاں یک رنگ جو تذکرے کی تسوید کے وقت زندہ نہیں تھے میر نے ان کو بھی نہیں چھوڑا۔ چونکہ ان کا تعلق مظہر جان جاں سے رہ چکا تھا اس لیے ان کے بعض اشعار کی اصلاح کر دی۔ جب یک رنگ موردِ عتاب ٹھہرے تو ان کے شاگرد کیوں بخشے جاتے، میر صلاح الدین عرف کلن پاکباز کے ترجمے میں "مزاجش خالی از وحشت نیست" کا جملہ بھی جگہ پا تا ہے۔

نکات الشعراء میں میر نے ان شعراء کو بھی اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا جن سے بوجوہ وہ خوش نہیں تھے۔ محمد علی حشمت کے ترجمے میں "اشعار پا بیا می گفت کچھ دارد" جیسے جملے ملتے ہیں کیونکہ یہ اکثر میر جیسے شاعروں پر بیجا اعتراضات کیا کرتے تھے۔ کمترین سے ان کی نہیں بنتی تھی (کمترین نے میر کی ہجو بھی لکھی ہے)

اس لئے ان کے ترجمے میں یہ جملہ لکھا گیا" بندہ شعر معقول او نہ شنیدہ ام"۔ عاجز اپنے اُستاد کمترین کی وجہ سے ہدفِ ملامت بنتے ہیں۔

میر نے جن شعراء کی تعریف کی ہے یا جن کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا ہے، انھیں مندرجہ ذیل گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(الف) خان آرزو کے تلامذہ

(ب) میر کے اعزا اور تلامذہ

(ج) میر پر جن کے احسانات تھے

(د) جن سے میر کے ذاتی روابط تھے اور جو میر کے مدّاح تھے۔

ٹیک چند بہار اور حسن علی شوق خان آرزو کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کر چکے تھے اس لیے ان کی تعریف کی گئی۔ محمد حسین کلیم اور محمد محسن محسن میر کے قریبی رشتہ داروں میں تھے اور عبدالرسول نثار اور میاں جگن ان کے تلامذہ میں تھے اس لئے ان کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کیا گیا۔ ہاں بندہ ابن راقم ان کی شاگردی سے نکل گئے تھے اس لئے بڑے اچھے انداز میں ان پر سرقے کا الزام عائد کیا گیا اور انھیں نو مشق کہا گیا۔ میر درد کے حلقے میں ان کے شاندار مستقبل کی بشارت دی گئی، اس لیے ان کی تعریف کی گئی۔ اسی بنیاد پر درد کے شاگرد ہدایت اللہ ہدایت بھی تعریفی کلمات کے مستحق قرار پائے۔

اسد یار خاں انسان، سعادت علی سعادت، شرف الدین پیکم، اور نجم الدین سلام میر کے محسنوں میں تھے، اس لئے ان کو اچھے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ کرم اللہ درد، اشرف علی فغاں، میر حسن اور عارف وغیرہ سے ان کے ذاتی مراسم تھے، اس لئے ان کی مدح لازم تھی۔ یہی نہیں، میر گھاسی کے ساتھ بھی ہمدردانہ رویہ روا رکھا گیا ہے کیونکہ خود ان کے الفاظ میں میر گھاسی

"با من آشنا است"۔

اس تفصیل سے یہ واضح کرنا مقصود نہیں ہے کہ میر نے جن کی مذمت کی ہے وہ لائق تحسین تھے یا جن کی تعریف کی گئی ہے وہ مذمت کے قابل تھے میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس طرح کی تحسین و تنقیص کا محرک صحیح جذبۂ تنقید نہیں بلکہ یہ تذکرہ محض معاصرانہ چشمک کی وجہ سے منصۂ شہود پر آیا ورنہ میر کی تنقیدی بصیرت ایسی نہیں تھی کہ وہ میاں جگن اور میر گھاسی کی تعریف کرتے اور بندرابن راقم اور قدرت اللہ قدرت کی تنقیص! نکات الشعرا میں شمالی ہند کے صرف چند شعرا ملتے ہیں جن کی میر نے تحسین کی ہے لیکن سبب تحسین واضح طور پر نہیں معلوم ہو سکا یا جن کی تنقیص کی گئی ہے مگر محرک تنقیص کا پتہ نہیں چلتا۔ جب تک تنقیص و تحسین کے واضح اسباب کا علم نہیں ہو جاتا انھیں مستثنیات میں شمار کرنا چاہیئے۔

اسی طرح کی افراط و تفریط گردیزی کے یہاں بھی ملتی ہے مگر ذرا سنجیدہ لہجے میں۔ چونکہ گردیزی فکر و نظر کے لحاظ سے میر کے عشر عشیر بھی نہیں تھے اس لئے نہ تو ان کی تحسین میں کوئی وقعت ہے اور نہ تنقیص میں کوئی وزن۔ ان کا سارا زور عبارت آرائی میں صرف ہو کر رہ گیا۔ یہی کیا کم ہے کہ وہ مسجع اور مقفیٰ جملوں میں اُن شعراء کی تعریف کر لیتے ہیں جنھیں میر نے ہدفِ ملامت بنایا تھا۔ گردیزی کے یہاں اگر کوئی خوبی ہے تو یہی لب و لہجہ کا اعتدال۔ وہ میر کی طرح جارح اور حملہ آور نہیں، وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر پاتے کہ میر کے لئے بلکہ تمام کے تعریفی جملے استعمال کریں اور ان کا صرف ایک شعر مثال میں پیش کر سکیں یا انعام اللہ یقین کے لئے خوب صورت الفاظ صرف کر کے ان کے کلام کا طویل اقتباس پیش کر لیں۔ دراصل میر نے اپنی پسند اور ناپسند کو جیتی جاگتی صورت میں اور مؤثر طور پر صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا، گردیزی اپنے دل کی بھڑاس بھی نہیں نکال سکے۔

——— اور جن کے پاس تخلیقی صلاحیت نہیں ہوتی، ان سے اس سے زیادہ کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی!(۱)۔

قرائن یہ بتاتے ہیں کہ نکات الشعرا اور تذکرہ ریختہ گویاں بیک وقت زیر تسوید تھے اور دونوں کے مصنفین کو ایک دوسرے کے مجوزہ مشمولات کا کسی نہ کسی ذریعے سے علم ہوتا رہتا تھا۔ ختم پہلے کس نے کیا، یہی سوال اب تک حل نہیں ہوا لیکن میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس سوال کی چنداں اہمیت نہیں۔

میر نے یہ تذکرہ بڑی روا روی میں لکھا۔ ان کے سامنے شعرا کی ترتیب کا کوئی اصول نہیں تھا۔ انھوں نے نہ تو شعرا کی تقسیم طبقات کے لحاظ سے کی اور نہ ان کا ذکر حروف تہجی یا حروف ابجد کی ترتیب سے کیا۔ شعرائے دکن کا ذکر یکایک ایک مختصر سی تمہید کے ساتھ وسط کتاب میں آجاتا ہے اور پھر اس کے بعد کسی تمہید کے بغیر شمالی ہند کے شعرا جگہ پاتے ہیں۔ شعرائے دکن والے حصے کی بات کسی قدر سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہ حصہ عبدالولی عزلت کا رہین منت معلوم ہوتا ہے۔ عزلت ۱۱۶۴ھ کے وسط میں دہلی آئے۔ ان کی ملاقات میر سے بھی ہوئی۔ میر نے ان کی بیاض سے بھرپور استفادہ کیا۔(۲) جوں ہی میر کو عزلت کی بیاض ملی ہوگی انھوں نے

(۱) یہاں اس حقیقت کا اعادہ بے محل نہ ہوگا کہ صاحب مجموعۂ نغز قدرت اللہ قاسم کا سلسلۂ تلمذ و تتبع (شاعری میں بھی اور مسلک میں بھی) مظہر جان جاں سے ملتا ہے۔ خود گردیزی سے قاسم کا تعلق بڑا گہرا رہا ہے۔ ایسی صورت میں میر کے نکات الشعرا کے سلسلے میں قاسم کے بیانات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ بنیاد حقیقت سے قریب ہے کہ میر کے خلاف جو غبار گردیزی نکالنا چاہتے تھے وہ قاسم نے نکالا۔

(۲) میر نے صدی کے ترجمے میں اس کی وضاحت [illegible] کا تعلق دکن سے [illegible] ممکن ہے کہ یہ بات میر کو اور گردیزی کو بھی [illegible] عزلت کی [illegible]

اس کی مدد سے اپنے تذکرے میں شعرائے دکن کا حصہ شامل کر لیا اور پھر شمالی ہند کے باقی شعراء کا ذکر مکمل کیا۔ میر کی اس روش سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وہ جلد از جلد اس کام کو جیسے تیسے ختم کر لینا چاہتے تھے۔ ذکر میر میں انھوں نے اپنی جن مصروفیات اور مہمات میں شرکت کی تفصیل فراہم کی ہے۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ زیر بحث زمانے میں انھیں دہلی میں جم کر کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔

نکات الشعراء کی خصوصیات پر اہل نظر نے بہت کچھ کہا ہے یہاں ان کا اعادہ تحصیل حاصل ہوگا۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت تو یہی ہے کہ یہ ہمارے ایک ایسے شاعر کے رشحات قلم ہیں جس نے غزل کی تقدیر بدل دی۔ ایسے شاعر کا ایک ایک جملہ بلکہ ایک ایک حرف ہمارے کام آسکتا ہے اور پھر نکات الشعراء میں تو میر کی شخصیت بھرپور طریقے سے جلوہ گر ہوئی ہے اس لئے اس کے مطالعے کی اہمیت کبھی کم نہیں ہوگی۔ یہ دراصل دوسرے شاعروں کا تذکرہ کم اور خود میر کا اپنا تذکرہ زیادہ ہے۔

نکات الشعراء کو اگرچہ قبول عام ملا لیکن اس کے قلمی نسخے تعجب خیز حد تک کمیاب ہیں۔ انجمن نے اسے دو بار شائع کیا۔ پہلی بار ۱۹۲۲ء میں مولوی حبیب الرحمن خاں شیروانی کے مقدمے کے ساتھ اور دوسری بار ۱۹۳۵ء میں مولوی عبدالحق کے حواشی اور مقدمے کے ساتھ۔ شیروانی مرحوم کے مقدمے میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ یہ نسخہ انجمن کو کہاں سے ملا تھا اور اس کی کتابت کب اور کہاں ہوئی تھی۔ مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمے میں نسخے کی تفصیل دی ہے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اشاعتوں کا متن ایک ہی خطی نسخے پر مبنی ہے۔ نامکمل اور مبہم عبارتیں بھی دونوں میں ملتی ہیں۔ ہاں کہیں کہیں ایسے اختلافات ضرور ملتے ہیں جن سے شبہ ہو سکتا ہے کہ دونوں اشاعتوں کا متن دو مختلف خطی نسخوں پر

تیمنی ہے لیکن یہ اختلافات الفاظ کے حذف و اضافہ تک محدود ہیں تغیر، سہو کتابت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، یہاں دوسری اشاعت کے چند جملے نقل کئے جاتے ہیں۔ جن الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے، وہ نسخۂ شیروانی یعنی اشاعت اول میں محذوف ہیں :۔

ص ۱ :۔ مسمی بہ نکات الشعرا است

ص ۸ :۔ پسر غنی بیگ

ص ۱۰ :۔ بندہ از احوال او

ص ۵۰ :۔ حسنِ سلوک او عام

اسی طرح نسخۂ شیروانی کے بعض الفاظ اشاعت ثانی میں محذوف ہیں مثلاً اس کے ص ۲۴ پر "با او یک دو ملاقات کردہ بودم" ہے اور اشاعت ثانی میں "با او یک ملاقات کردہ ام" ہے۔ اس طرح نسخۂ شیروانی کے ص ۱۴۳ پر شعر بمشورت من می گوید" ہے اور اشاعت ثانی میں لفظ شعر محذوف ہو گیا ہے۔

کہیں کہیں کئی جملے محذوف ہو گئے ہیں لیکن یہ سارے محذوفات سہو کتابت کے ذیل میں آجاتے ہیں، دونوں اشاعتوں میں ایک ہی مفہوم کی دو مختلف روایتوں کی مثالیں نہیں ملتیں اور نہ جملوں کی ساخت اور ترتیب کا کوئی فرق ملتا ہے۔ اس لئے یہ گمان ہوتا ہے کہ دونوں اشاعتیں ایک ہی خطی نسخے پر مبنی ہیں۔ ہاں اگر دونوں اشاعتیں دو الگ الگ نسخوں پر مبنی ہیں تو اتنی بات یقینی ہے کہ ان میں سے ایک کو منقول عنہ اور دوسرے کو نقل کی حیثیت حاصل ہے۔ بہرحال مجھے کا مقصد یہ ہے کہ نکات الشعرا کے خطی نسخوں کی کمی کی وجہ سے اب تک ان عبارتوں کی تصحیح نہیں ہو سکی جو متداول اشاعتوں میں مبہم تھیں (۱)۔

---

(۱) رضا لائبریری رام پور میں نکات الشعرا کا ایک ناقص نسخہ موجود ہے۔ آزاد لائبریری علیگڑھ میں

پیرس کے قومی کتب خانے میں نکات الشعراء کا ایک خطی نسخہ موجود ہے۔ اگرچہ اس کے کاتب نے دکن کے اکثر شعراء کا ذکر جان بوجھ کر حذف کر دیا ہے۔ پھر بھی کئی حیثیتوں سے اہم ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں ترقیمہ موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی کتابت ۱۱۷۰ھ میں سورت میں ہوئی تھی۔ نکات الشعراء کی اشاعت ثانی جس خطی نسخے پر مبنی ہے، اس کی کتابت ۱۱۷۲ھ میں ہوئی تھی، نسخۂ پیرس کی کتابت اس کے چھ سال بعد ہوئی۔ ۱۱۷۲ھ والا نسخہ سید عبدالولی عزلت کی فرمائش پر لکھا گیا تھا، ان کا سورت سے گہرا تعلق تھا' یہ بعید از قیاس نہیں کہ نسخۂ پیرس کی کتابت کے سلسلے میں عزلت کا تعاون و مشورہ شامل رہا ہو۔ نسخۂ پیرس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مطالعے سے وہ بیانات واضح ہو جاتے ہیں جو مطبوعہ نسخہ میں کسی وجہ سے مبہم اور غیر واضح رہ گئے ہیں۔ اس طرح مطبوعہ نسخہ کی تصحیح و توثیق کے لئے اسے قدیم ترین مآخذ کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ دونوں نسخے کے متن میں کہیں کہیں معمولی اختلافات بھی ہیں جو اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ میر نے تذکرے پر نظر ثانی کی تھی لیکن ان دونوں میں اصل متن کی نقل کون ہے اور کون اصلاح شدہ متن کی نقل، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

نسخۂ پیرس میں ۵۰ اوراق ہیں۔ پہلے ورق کا بالائی حصہ ضائع ہو گیا ہے مگر اچھی بات یہ ہے کہ اس کی وجہ سے کتاب کا متن متاثر نہیں ہوا۔ پہلے صفحے پر دو عبارتیں ہیں، ایک ناقص اور ایک مکمل۔ پہلی عبارت سے کتاب کا نام واضح ہوتا ہے'

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) ایک تذکرے کے چند اوراق ملے ہیں لیکن ان نسخوں کو متن کی تصحیح کے لئے ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

کتاب کے مصنف کا نام ضائع شدہ حصے میں رہا ہوگا مگر "تلمیذ قدوۂ اہل معانی، سراج الدین علی خاں صاحب آرزو" کا فقرہ واضح ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کاتب میر کو خان آرزو کا شاگرد سمجھتا تھا۔ دوسری عبارت سے اس کتاب کی ملکیت واضح ہوتی ہے۔ عبارت یہ ہے:

"ایں کتاب تذکرۂ میر راحاجی میر جعفر محمد قبلہ میر گوہر علی مرحمت نمود، بتاریخ بست یکم ماہ شعبان سنہ ۱۲۱۴ ہجری کہ از گجرات آمدہ بودند"۔

صفحہ ۲ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ اس صفحے پر مقدمہ ہے اور امیر خسرو کے ترجمے کے ابتدائی فقرے۔

اس کا ورق نمبر ۲ (صفحات ۳ و ۴) غائب ہے۔ ورق نمبر ۳ سے آخر کتاب تک اوراق مسلسل ہیں۔ آخری صفحے پر یہ ترقیمہ ہے:

"بتاریخ ہفدہم شہر شوال روز چہار شنبہ سنہ ۱۱۷۰ ہجری در بندر سورت بموجب خواہش جمیع دوستاں بہ اتمام رسید"

نسخۂ انجمن میں ۱۰۳ شعراء کا ذکر ملتا ہے، اس میں صرف ۷۷ شعراء کو جگہ ملی۔ کاتب نے دکن کے اکثر شعراء کا ذکر یہ کہہ کر حذف کر دیا:

"واکثر مذکور شعرائے متقدمین و آیہ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ ۝ درشانِ شاں ست۔ مؤلف ایں تذکرہ از کارشاں را معہ شعرائے بروپوچ لایعنی نوشتہ بود۔ چوں کاتب را تصدیع بود، اوقات عزیز خود را ضائع نمود و بہمیں احمد گجراتی و قاسم گجاراتی اکتفا نمود بقول قدیم مشتے نمونہ خروارے"

کاتب نے جن شعراء کا ذکر حذف کیا ہے، ان کی فہرست یہ ہے:

شعوری ، فضلی ، صبائی احمد آبادی ، محمود ، سالک ،
ملک ، لطفی ، فخری ، ہاشم ، ہاتفی ، اشرف ،
غواصی ، خوشنود ، جعفر ، عبدالرحیم ، عبدالبر ،
عزیزاللہ ، سعدی ، بیچارہ ، حسن ، مرزا داؤد ،
خواجم قلی خاں ، میر گھاسی ، عشاق ۔

ان کے علاوہ ورق ۲ کے غائب ہوجانے سے عبدالقادر بیدل ، سراج الدین علی خاں آرزو اور مرزا مغز نظرت موسوی کے ترجمے بھی معدوم ہوگئے ۔ گویا ۱۰۳ شاعروں میں ۲۷ شعراء کا ذکر نسخۂ پیرس میں نہیں ہے ۔ اس میں ایک نئے شاعر عطا بیگ ضیا کے ترجمے کا اضافہ ہے (۱) ۔ اس طرح شامل تذکرہ شعراء کی تعداد ۷۷ ہوجاتی ہے ۔

اس ترتیب نو میں نسخۂ انجمن ہی کو بنیاد بنایا گیا ہے ، کیونکہ یہ مکمل بھی ہے اور قدیم تر بھی ۔ نسخۂ پیرس سے متن کی تصحیح کی گئی ہے ۔ متن کی تصحیح و توثیق میں کہیں کہیں تذکرۂ شورش کے اس خطی نسخے سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جو کتب خانہ رشیدیہ جون پور میں محفوظ ہے ۔ شورش نے میر کے بیانات کو کہیں کہیں من و عن نقل کرلیا ہے اور اس کا حوالہ بھی دے دیا ہے ۔ اس طرح اس کی مدد سے نکات الشعرا کے

---

(۱) صاحب گلشن سخن کے ایک بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تذکرۂ میر کی کوئی ایسی روایت تھی جس میں جنوں کا ترجمہ بھی شامل تھا لیکن جو شعرا انھوں نے تذکرۂ میر کے حوالے سے جنوں کی طرف منسوب کئے ہیں وہ دراصل جنون الہ آبادی کے ہیں (دیکھئے ریاض الفصحاء ، گلزار ابراہیم ، تذکرۂ عشقی) عشقی نے جنون الہ آبادی کے بارے میں لکھا ہے کہ "جوانے طالب العلم مستعداست" ص ۷۰ — ۱۶۹
ان تذکروں کے بیانات کی روشنی میں صاحب گلشن سخن کا بیان قابل اعتنا نہیں رہ جاتا ۔

بعض حصّوں کا متن تیار کیا جا سکتا ہے۔ نسخۂ شورش میں تیسرے کے جو بیانات نقل ہوئے ہیں وہ مطبوعہ نسخوں کے متن سے زیادہ مماثل ہے۔ اگرچہ نسخۂ انجمن کے متن کو بنیاد بنایا گیا ہے لیکن کہیں کہیں نسخۂ پیرس کے الفاظ کو متن کے لئے ترجیح دی گئی ہے اور نسخۂ انجمن کے الفاظ حاشیے میں لکھ دیے گئے ہیں۔

متن کی ترتیب میں ذیل کا طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے:۔

(الف) جو حروف یا فقرے یا جملے نسخۂ انجمن میں ہیں لیکن نسخۂ پیرس میں نہیں ہیں ان پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔

(ب) نسخۂ پیرس کے اہم اضافوں کو متن میں شامل کر لیا گیا ہے۔ امتیاز کے لئے یہ اضافے قلابین ( ) میں درج کئے گئے ہیں۔

(ج) اختلاف نسخ کی وضاحت حاشیے میں کی گئی ہے۔ مختلف نسخوں کے لئے یہ علامتیں کام میں لائی گئی ہیں:

نکات الشعراء کی پہلی اشاعت = شیروانی
نکات الشعراء کی دوسری اشاعت = انجمن
نکات الشعراء کا نسخۂ پیرس = پیرس
تذکرۂ شورش نسخۂ جون پور = شورش

(د) نسخۂ انجمن اور نسخۂ پیرس کے اشعار کا متن بھی کہیں کہیں مختلف ہے لیکن اصل کتاب میں نسخۂ انجمن کا متن دیا گیا ہے۔

(ہ) دونوں نسخوں کے اشعار کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ نسخۂ پیرس میں جن اشعار کا اضافہ ہے، انھیں متن میں شامل کر لیا گیا ہے اور امتیاز کے لئے ان کا اندراج قلابین میں ہوا ہے۔

جو اشعار نسخۂ انجمن ہیں لیکن نسخۂ پیرس سے غیر حاضر ہیں، ان کے شروع کے الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔

میں اپنے عزیز دوست مرزا سعید الظفر چغتائی، اُستاد شعبۂ طبعیات، مسلم یونی ورسٹی علیگڑھ کا شکر گزار ہوں۔ ان کی کوششوں سے اس نسخے کا عکس مجھے ملا۔ موصوف ۱۹۶۳ء میں گورکھپور یونیورسٹی چھوڑ کر اعلیٰ تعلیم کے لئے فرانس روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچتے ہی انھوں نے پیرس کے قومی کتب خانے میں محفوظ اُردو مخطوطات کا مطالعہ کیا اور ان کی تفصیلات سے مجھے مطلع کیا۔ میری درخواست پر انھوں نے نکات الشعراء کا عکس بھی فراہم کر دیا۔

اس کتاب کی ترتیب و اشاعت میں میرے رفیق کار ڈاکٹر اسمٰعیل لاری اور شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی کے اُستاد ڈاکٹر عبدالحق صدیقی کا خلوص بھی شامل رہا ہے۔ میں ان کا شکر گزار ہوں۔

جناب نسیم احمد، مالک دانش محل، لکھنؤ کا شکریہ ادا کرنا میرے فرائض میں داخل ہے جن کی توجہ سے اس کتاب کی اشاعت کی نوبت آئی۔

محمود الٰہی

شعبۂ اُردو، گورکھپور یونی ورسٹی
۲۷ دسمبر ۱۹۷۰ء

مقدّمۂ مصنّف

بعد حمد سخن آفریں کہ اوست سزاوار تحسین و درودِ نامحدود بر آں شفیعِ
والدنبین و علیٰ آلہ اجمعین کہ مقصود بود از آسماں و زمین۔
پوشیدہ نماند کہ در فن ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اُردوئے معلّیٰ
شاہ جہان آباد دہلی، کتابے تا حال تصنیف نشدہ کہ احوالِ شاعرانِ ایں
فن بصفحۂ روزگار بماند۔ بناءً علیہ ایں تذکرہ کہ مسمّیٰ بہ نکات الشعراء است،
نگاشتہ می شود۔
اگرچہ ریختہ از دکن (۱) است، چوں از آں جا یک شاعرِ مربوط برنخواستہ،
لہٰذا شروع بنام آنہا نکردہ و طبعِ ناقص مصروف ایں ہم نیست کہ (از)
احوال اکثر آنہا لال اندوز گردد مگر بعضے از آنہا نوشتہ خواہد شد،
اِنْ شاء اللہ تعالےٰ۔
امید کہ بدست ہر صاحب سخنے بیاید، بنظرِ شفقت بگشاید۔

---

(۱) انجمن : دد

امیر خسرو

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ(۱) ۔ مجمع کمالات و صاحبِ حالات (و) فضائل او اظہر من الشمس است ۔ احوال امیر مذکرہ ہا مسطور، نوشتنِ ہیں احقر العباد فضولیست ۔

اشعار ریختہ آں بزرگ بسیار دارد ۔ دریں خود ترددے نیست ۔ ازانجملہ یک قطعہ تیمناً نوشتہ آید :۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا ۔ کچھ گھڑیئے سنوار یئے پکارا
نقدِ دل من گرفت و بشکست ۔ پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

بیدل

مرزا عبدالقادر بیدل ۔ شاعر پر زور فارسی، صاحب دیواں پنجاہ ہزار بیت و مثنویات وغیرہ ۔ اوائل(۳) جوانی نوکر شاہزادہ محمد اعظم شاہ بود ۔ بعد از چندے ترک روزگار گرفتہ فروکش کرد ۔ از مذاق شعرا او دریافتہ می شود کہ بہرہ کلی از عرفان داشت ۔ احوالش مفصلاً در تذکرہ ہا مرقوم است ۔ دو شعر ریختہ بنام او شنیدہ می شود ، شاید بتقریبے گفتہ باشد، از دست :۔

---

(۱) پیر سن : قدس سرہ ۔

(۲) اس فقرے پر نسخۂ پیرس ۵ صفحہ ۲ ختم ہوتا ہے ۔ اس کے بعد کی عبارت نہیں ملتی، کیونکہ اس نسخے سے ورق ۲ غائب ہے ۔

(۳) شورش : در اوائل ۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

آرزو

سراج الدین علی خاں آرزو۔ آب و رنگ باغ نکتہ دانی، چمن آرائے گلزار معانی۔ متصرف ملک زور طلب بلاغت، پہلوان شاعر عرصۂ فصاحت، چراغ دودمان صفائے گفتگو کہ چراغش روشن باد، سراج الدین علی خاں آرزو سلمہ اللہ تعالیٰ ابدًا۔ شاعر زبردست قادر سخن عالم و فاضل تا حال ہمچو ایشاں بہند وستان جنت نشان بہم نرسیدہ بلکہ بحث در ایران می رود۔ شہرۂ آفاق، در سخن فہمی طاق صاحب تصنیفات دہ پانزدہ کتب و رسالہ و دیوان و مثنویات۔ حاصل کمالات اوشاں از حیزۂ بیان بیروں است۔ ہمہ استاداں مضبوط فن ریختہ ہم شاگرد او آں بزرگوار ند۔ گاہے برائے تفنن طبع دو سہ شعر ریختہ فرمودہ، ایں فن بے مایہ کہ ما اختیار کردہ ایم، اعتبار دادہ اند، تبرکًا نوشتہ آمد:۔

جان تجھ پر پھر اعتماد نہیں زندگانی کا کیا بھروسا ہے

مے خانہ بیچ جا کر شیشے تمام توڑے
زاہد نہیں آج اپنے دل کے پھپھولے توڑے

رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سنے یہ لعل قیمتی دیکھو، جھوٹا نکل گیا

ہر صبح آ دتا ہے تیری برابری کو کیا دن لگے دیکھو خورشید خاوری کو

معز فطرت موسوی

مرزا معز فطرت موسوی خاندانی موسوی خاں خطاب است۔ معز و فطرت و موسوی ہر سہ تخلص می کند۔ احوال او من و عن در تذکرۂ سراج الدین علی خاں صاحب کہ استاد و پیر مرشد بندہ است، مسطور، ہمچو مسموع است کہ این شعر ریختہ شاعر مرقوم گفتہ، واللہ اعلم۔

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

مظہر جانجاں

مرزا جانِ جاں، مظہر تخلص، مرد نیست مقدس، مطہر، درویش، عالم، صاحبِ کمال، شہرۂ عالم، بے نظیر، معزز، مکرم۔ اصلش از اکبر آباد است، پدرِ او مرزا جان نام داشت۔ از فرط شفقت (۱) (پدری) مرزا جانِ جاں می گفت۔ ازیں سبب ہمیں اسم موسوم است (۲)۔ بندہ بخدمت او (شاں) رفتہ سعادت اندوز گشتہ است۔ اکثر اوقات در یاد الٰہی صرف می کنند (۳) (و) خوش تقریر برتبۂ است کہ در تحریر نمی گنجد۔ دیوان مختصر شعر فارسی او (شاں) بنظر فقیر مؤلف آمدہ است۔ از (شعر) سلیم و (کلام) کلیم پاے کمی ندارد۔

---

(۱) نسخۂ پیرس کا ورق ۳ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) پیرس : گشت

(۳) پیرس : می کنند

اگرچہ شعر (ہندی) گفتن دون مرتبہ است لیکن گاہے متوجہ ایں فن بے حاصل نیز می شود۔ (۱) (و) انعام اللہ یقین وحزیں کہ شاعر (ان) ریختہ اند، شاگردان اویند (۲)۔ غرض مرزا (جانِ جاں مظہر) عجب کسے است، (من کلامہ):۔

خدا کے واسطے اس کوں نہ ٹوکو یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے
جواں مارا گیا خوبوں کے اوپر میرزا مظہر

بھلا تھا یا برا تھا، زور کچھ تھا، خوب کام آیا

(غزل)

(اوس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہات
اس واسطے لگا ہوں چمن کی ہوا کے ہات)

(کب چھوٹتا ہے، پھر کے جو مفلس گرو رکھے
اب تو پھنسا ہے آن دل اس بیوفا کے ہات)

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہات چونری و پنکھا صبا کے ہات

(آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سے
مینا لگا ہے جب سیتیں مجھ بے نوا کے ہات)

(مظہر چھپا کے رکھ دل نازک کتیں ترے
یو شیشہ بچتا ہے کسی میرزا کے ہات)

کسی کے خون کا پیاسا، کسی کی جان کا دشمن
نہایت منھ لگایا ہے سجن نے بیڑۂ پاں کو

---

(۱) پیرس: می شدند

(۲) پیرس: اوشاں اند

ہ نے کی ہے توبہ اور دُھو میں مچائی ہے بہار
ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار
نش کہو، شرارہ کہو، کوئلا کہو مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو
رگل کو گل کہوں تو ترے رو کوں کیا کہوں
بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کوں کیا کہوں

اشتیاق

شاہ ولی اللہ اشتیاق۔ مردے بود ذی علم۔ از اولاد شیخ (مجدد)(۱)
ت ثانیست۔ نبیسۂ شاہ محمد گل، مولد او سرہند است۔ در کوٹلہ فیروز شاہ
وقت داشت۔ درویش متوکل، گاہے فکر ریختہ می کرد (دایں اشعار) از وست:۔
کوں کے پتھر ں کی لگے کیونکہ اس کو چوٹ
ہر یک گرد باد ہے مجنوں، تو دھواں کوٹ
وڑ کر تجکو ہیں اور سے جو لاگ لگی
نہیں مہندی یہ ترے تلووں سیتی آگ لگی
ں جو، ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں کچھ ان کا دوس نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

اُمید

قزلباش خاں اُمید۔ مردے مغلے بود۔ شاعر غزلے فارسی، نکتہ پرداز، بذلہ سنج
ب دل، عزیز دلہا، یار باش، خوش اختلاط، ہمیشہ خنداں و شگفتہ رو (۲)... اوقات عزیز

(۱) نسخے میں مجدد ہے۔
(۲) نسخہ میں الفاظ واضح نہیں ہیں۔

خود را بخوشی و خرمی) بسر (می) برد۔ داخل ذیل امرا (و خوانین) بود۔
در ہر سیر و تماشا می رفت و صحبتہا (با یاراں یک دل و صاحب طبع) می داشت۔
چنانچہ یک روز در عرس سید حسن رسول نما صاحب قدس سرہ العزیز بندہ نیز بتحریک
یاران موافق رفتہ بود (م) ۔ و او ہم تشریف می داشت ۔ چوں مرا از دور دید،
گفت کہ خوش باشد کہ من ہم دریں ایام دو شعر ریختہ موزوں کردہ ام، بشنوید از وست:۔

در و دیوار سے اب صحبت ہے　　یار بن گھر میں عجب صحبت ہے
تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں　　الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

مرزا گرامی

مرزا گرامی ۔ پسر غنی بیگ کشمیری است کہ قبول تخلص می کرد۔ نقل احوالِ او
در تذکرۂ خاں صاحب مرقوم است ۔ چوں دید کہ ہنگامۂ ریختہ گرم شدہ، خود نیز
نیز شعر ریختہ گفت و بطور ے کہ داشت و آں اینست:۔

حاضری بن محل نہیں کھاتا
بیگمی ہے پنیر منعم کا

مخلص

رائے آنند رام مخلص تخلص مشہور۔ از شاہ جہان آباد ست ۔ (و)
وکیل نواب وزیر اعتماد الدولہ مغفور و مرحوم، شاعر مقرر ے فارسی۔ در عنفوانِ
جوانی مشق سخن بخدمت مرزا بیدل می کرد (و) دریں ایام اشعار خود را از نظر
خاں صاحب سراج الدین علی خاں می گزرانید (و) از مدت آزار نفث الدم
داشت ۔ قریب یک سال است کہ در گذشت ۔ احوالش در تذکرۂ خاں صاحب

مذکور مفصل مسطور است :-

دھوم آوند کی کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ از گجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

آبرو

میاں نجم الدین عرف شاہ مبارک متخلص بآبرو، متوطن گوالیار، شبیہ حضرت محمد غوث گوالیاری است، نور اللہ مرقدہ (۱)۔ از ابتدائے جوانی در شاہجہان آباد آمدہ۔ چنانچہ مشق سخن ہم اینجا کردہ۔ شاگرد خاں صاحب سراج الدین علی خاں است۔ از چشم پوشی روزگار دجال۔ شعار یک چشمش از کار رفتہ بود۔ شاعر نادرہ گوئے ریختہ۔ می گویند کہ طبعے شوخے داشت۔ غرض مستغنی (۲) وقت خود بود کہ عہد محمد شاہ پادشاہ (۳) باشد۔ خدایش مغفرت بہ کند (چند اشعار متفرق) ازوست:

آیا ہے صبح نیند سے اٹھ رس ملا ہوا — جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا
جوانی کے زمانہ کی میاں کیا زیادتی کہیے — کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا
بوسہ لبوں کا دینے کہا، کہہ کے پھر گیا — پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا
قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اس گلی — ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا
مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے — یہ روٹھ روٹھ چلنا، چل چل کے پھر ٹھہکنا

فرہاد کا دل کوہ کے کا بھرا پیالا ہوا
مستی سے بس کے شوق کی ہر سنگ متوالا ہوا

---

(۱) پیرس : قبرہ

(۲) پیرس : مستثنیٰ

(۳) پیرس : در عہد محمد شاہ بادشاہ باشد

دل کے اوپر بہار میں احوال سخت دیکھ — دے مارتی ہے باغ میں سر کو کلی اُٹھا
یہ سبزہ اور یہ آب رواں اور ابر یہ گھرا — دوانا ئیں کہ میں گھر میں رہوں اب چھوڑ کے صحرا
گریہ ہے مسکرانا تو کس طرح جئیں گے — تم کو تو یہ ہنسی ہے پر ہے مرن ہمارا

یارو ڈرو کمر سے مرے ڈور نہ بھر کے انگ
آجا کہیں لچک تو ابھی لاگ جائے لنگ

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں — اس طرح حال دل کا کہتا ہوں
سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہوا ہوں میں
یہاں لگ ہنر میں عشق کے کامل ہوا ہوں میں

دل کب آوارگی کو بھولا ہے — چاک اگر ہو گیا گو لا ہے
آغوش میں بھواں کی کرتی ہیں قتل آنکھیں
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں خوں ہوا ہے

کرتے تو ہو تغافل پر حال آبرو کا — دیکھو تو تم بھی پیارے بے اختیار کو دو
نہیں یہ تارے بھرے ہیں شک کے نقط — اس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

اگر بجائے اس قدر، کس قدر می گفت، ایں شعر با آسماں می رسید۔

مجھ ناتواں کی حالت وہاں جا کے ہے اُوڑ کر
میرا یہ رنگ رو ہے گویا کبھی کبوتر

عالم آب میں آساں نہیں اے شیخ گزر
خوف سے غرق کے یہاں بحر ہے کشتی میں سوار

خوب تیری شکل آسکتی نہیں تصویر میں
مدتیں گزریں مصور کھینچتا ہے انتظار

کریں جو بندگی ہو ویں گنہ گار　　بتوں کی کچھ نرالی ہے خدائی

آبرو کے قتل پر حاضر ہوا کس کر کمر　　خوں کرنے کوں چلے عاشق پہ تہمت باندھ کر

زندگی ہے سراب کی سی طرح　　باؤ بندی حباب کی سی طرح

تجھ اوپر خون بے گناہوں کا　　چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح

کون چاہے گا گھر بسے تجکو　　مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

کیوں چھپا ظلمات میں گر تجھ لب سے شرمندہ نہ تھا　　جان کچھ پانی مرے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

مجلس رنداں میں مت لے جا دل بے شوق کو

شیشۂ خالی کو کیا عزت ہے میخواروں کے بیچ

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوے گی　　اس دل بے قرار کی صورت

نہ تھا کچھ اور میرے شوق کا حسن وصفا باعث

یہی پیاری طرح موجب ہوئی کافر ادا باعث

تم اور گل رخاں سے اب آنکھ جو لگائے

بادام کو پیارے پھولوں کے بیچ باسا

دل تو دیکھو آدم بے باک کا　　عشق سے پتلا بھرا ہے خاک کا

سجن اوروں کا تشنہ ہو کے تنتا اور سب کہتا

مگر ایک آبرو کی بات جب کہتے تو پی جاتا

انسان ہے تو کبر سے کہتا ہے کیوں آنا

آدم کو تو سزا ہے کہ ہے خاک سے بنا

رہتے ہیں جیوتی جوت کے بیچ کی طرح　　گھر بار ہو ہے مردقدوں کا برائے بیت

کیوں ملاقات اس قدر کرتے ہو بے حاصل ہے یہ

لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے یہ

(قطعہ)

زلف کی شان مکھ اوپر دیکھو کہ گویا حرش میں لٹکتی ہے
کیا ہوا مر گیا اگر فرہاد روح پتھر سے سر پٹکتی ہے
تمہاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے کہاں ہے، کس طرح کی ہے، کدھر ہے
یوں آبرو بنا دے دل میں ہزار باتیں جب روبرو ہو تیرے گفتار بھول جاوے
اب دین ہوا زمانہ سازی آفاق تمام دہریا ہے
جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے
زندگانی تو ہر طرح کاٹی مر کے پھر جیونا قیامت ہے
اٹھ چیت کیوں جنوں ستی خاطر پنچنت کی
آئی بہار تجکو خبر ہے بسنت کی
جہاں تجھ خو کی گرمی تھی نہ تھی کچھ آگ کو عزت
مقابل اس کے ہو جاتی تو آتش لکڑیاں کھاتی
لٹک چلنا سجن کا بھولنا نہیں اب تلک مجھکو
طرح وہ پانوں رکھنے کی میری آنکھوں میں پھرتی ہے
اس کی کنجی زبان شیریں ہے دل مرا قفل ہے بتاشے کا

حسن ہے پر خوبرویاں میں وفا کی خو نہیں
پھول ہیں یہ سب پر ان پھولوں میں ہرگز بو نہیں
قیامت کیا تم ٹک ایک ہنس کے بولے
مجھے بات کی بات میں مار ڈالا

مضمون

میاں شرف الدین، مضمون تخلص، مردے بود نوکر پیشہ۔ متوطن جاجمو کہ قصبہ است متصل اکبرآباد۔ حریف (د) ظریف، مشاش (د) بشاش، ہنگامۂ گرم کن مجلسہا، ہرچند کم گو بود لیکن بسیار خوش فکر و تلاش لفظ تازہ زیادہ۔ دیوانش ہمہ جہت دو صد بیت خواہد بود۔

از شروع جوانی بہ شاہ جہان آباد آمدہ و در زینت المساجد سکونت داشت۔ آخرالامر ہمیں (۱) جا فوت کرد۔ از احفاد حضرت شیخ فرید شکر گنج بود نوراللہ مرقدہٗ، چنانچہ خود میگوید (فرد)

کریں کیوں نہ شکر لبوں کو مرید
کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

شاگرد خاں صاحب سراج الدین علی خاں است۔ چو دندانِ او بسبب نزلہ ہمہ افتادہ بودند، خاں صاحب مذبور (۲) او را شاعر بیدانہ می گفتند (فقیر (۳) او را در اواخر زمان او دریافتہ بودم) بسیار گرم اختلاط (بود) اگرچہ بر ودت پیری غلبہ داشت۔ اغلب کہ خدا آتش بخیر مبدل کردہ باشد۔ (درین (۴) ولا از دیوانِ او منتخب نمودہ، نوشتہ شدہ)۔ از دست:۔

۱۔ پیرس: یہیں

۲۔ پیرس: مرقوم

۳۔ انجمن: فقیر زمان آخر او را دریافتہ بودم۔

۴۔ یہ عبارت پیرس سے لی گئی ہے۔ انجمن کی عبارت مبہم ہے۔ مولوی عبدالحق نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ کتابت کی غلطی سے اصل عبارت مسخ ہو گئی ہے۔ بہرحال نسخۂ پیرس کی عبارت واضح اور بامعنی ہے۔

جو دو پیالہ سحر کو بھر کے اور دو شام کو لے گا
وہ تخت اپنے میں جوں خورشید چاروں جام کو لے گا

ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا　　صبر ایوبؑ کیا، گریۂ یعقوبؑ کیا

(ایہام)

ایک تو تھا ہی وہ مہر و خود پسند　　ہو گیا دیکھ آرسی کے تین دو چند
ہنسی تیری پیارے پھلجھڑی سی ہے　　یہی غنچہ کے دل میں گل پھلجھڑی ہے

(ایہام)

میکدہ میں گر سراسر فعل نامعقول ہے　　مدرسہ دیکھا تو وہاں بھی فاعل و مفعول ہے

(ایہام)

ناحق ستم کسی پر وہ شوخ کد کرے ہے
دیتا ہے ٹانگ اُس کو جو فعل بد کرے ہے

(ایہام)

جھوٹے سینوں سے یوں ہوا معلوم　　تیری آنکھوں کے (ٹک) دو پلکے ہیں
میرا پیغام وصل اے قاصد　　کہیو سب سے اسے جدا کر کر

اتفاقاً من اشعار ایشاں را انتخاب می زدم، میاں محمد حسین کلیم کہ احوالِ او شاں نیز خواہد آمد، ان شاء اللہ تعالیٰ، او شاں نیز نشستہ بودند۔ من ایں شعر را پیش مشارٌ الیہ خواندم و شعر ایں قسم (در دیوانش نوشتہ) بود:

میرے پیغام کو تو اے قاصد　　کہیو سب سے اسے جدا کر کر
(۱) (گفتند کہ اگر بجائے 'پیغام' کو 'پیغام وصل' می گفت، ایں پست رتبہ

---

(۱) انجمن میں یہ عبارت ناقص ہے جس کی وجہ سے یہ گمان کیا گیا ہے کہ اس شعر پر بھی میر کی اصلاح ہے لیکن اب اس مکمل عبارت سے صحیح بات سامنے آگئی ہے۔ تذکرہ خوشگو سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ اصلاح محمد حسین کلیم کی ہے خوشگو کے الفاظ یہ ہیں: "میاں محمد حسین کلیم اصلاح نمودہ اند از نوشتہ تغی میر معلوم شدہ"۔

اعلیٰ بہم می رسید[1]) چوں ایں حرف موافق سلیقۂ شعرا بود، لہٰذا ہمچناں نوشتہ آمد[2]۔

کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

کیا سمجھ بلبل نے باندھا ہے چمن میں آشیاں

ایک تو گل بے وفا اور تس پہ جورِ باغباں

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ کروں کیا جو نہیں لگتا میرے ہاتھ

مہ رونے بوجھ پکڑا مشکل ہوا ہے جینا

یارو خدا کرے خیر بھاری ہے یہ مہینا

خط آگیا ہے اس کے میری ہوئی سفید ریش

کرتا ہے اب تلک بھی وہ ملنے میں شام و صبح

چلا کشتی میں آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہے۔

کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی جی ڈوب جاتا ہے

مرا یہ اشک قاصد کی طرح یک دم نہیں تھمتا

کسی بے تاب کا گویا لیے مکتوب جاتا ہے

مضموں تو شکر کر کہ ترا اسم سن رقیب غصّہ سے بھوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

شاعر مسطور بجائے 'اسم' 'نام' موزوں کردہ بود۔ اسم اصلاح خاں صاحب است (وچہ[3]) اصلاح زیرا کہ اہل دعوت اسم می خوانند نہ نام، فافہم۔

یکرنگ

مصطفےٰ خاں، یک رنگ (تخلص) شاعر ریختہ، معاصر میاں آبرو۔

---

(۱) نسخے میں می رسند ہے۔ (۲) پیرس: شد

(۳) انجمن: وہ چہ (کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے)

می گویند کہ بسیار چسپاں اختلاط و آشنائے درست بود۔ از احوال او خوب اطلاع ندارم۔ از دست:

(قطعہ)

لب شیریں سے بے زبانوں کو — بولنا تلخ کام ہے تیرا
ہاتھ اٹھا جور اور جفا سے تو — یہی گویا سلام ہے تیرا
ترک عاشق نہیں ننگ و نام کیا — کام اپنا جو تھا تمام کیا
اس قدر کیا ہے حمایت غیر کی — ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا
جب سیتی گل رخوں سے یار ہوا — خلق کی میں نظر میں خوار ہوا
خلق یک رنگ کی ہوئی دشمن — جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا

در مرثیہ امام حسین صلوٰۃ اللہ علیہ (نیز گفتہ است) :-

(مرثیہ)

زخمی برنگ گل ہیں شہیدان کربلا — گلزار کے نمط ہے بیابان کربلا
کھانے چلا ہے زخم ستم ظالموں کے ہاتھ — دھو ہاتھ زندگی سے تہ ان کربلا
اندھیر ہے جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ — ہے سر بریدہ شمع شبستان کربلا

(ریختہ)

سنتا نہیں ہے بات کسی کی تو اے سجن — تجکو ترا غرور نجانوں کرے گا کیا
خون دل کا مجھے شراب ہوا — جگر سوختہ کباب ہوا
اِتا ہے مست اپنے حسن کی مے سے سجن میرا
کہ کھاتا ہے بیاں کرنے سیتی لغزش سخن میرا
نہ کر گوہر سیتی ہرگز برابر — اگر معلوم ہے رتبہ سخن کا
مت بوجھ پیارے اپنا دشمن — کوئی دشمن بھی ہو ہے اپنی جان کا

---

(۱) پیرس: حضرت ابا عبداللہ الحسین

اگر آوے مرے گھر وہ پیارا　　کروں اس ماہ کو پتلی کا تارا
مرا دشمن ہوا یکرنگ وہ شوخ　　ہوگیا کیوں عشق میں نہیں آشکارا

کم نہیں کچھ بوئے گل سیتی فغان عندلیب
برگ گل سے ہے گی نازک تر زبانِ عندلیب

زبانِ شکوہ ہے مہندی کا ہر پات　　کہ خوبوں میں لگائے ہیں مجھے ہات
مسخرِ حسن کے شاہ و گدا ہیں　　رکھے ہیں خوبرو ظاہر کرامات
خیال چشم و ابرو کر کے تیرا　　کوئی مسجد گیا کوئی خرابات
یاد آتی ہے نازگی بہار　　دیکھ ہر خشک خار کی صورت
سچ کہے جو کوئی سو مارا جائے　　راستی ہیگی دار کی صورت

باعتقاد فقیر بجائے (لفظ) سچ حرف حق اولیٰ است (برائے مناسبات درست می افتد)

پھر گیا ہائے ہم سے وہ مہرو　　سرد مہری ستی ہوا کی طرح
ہوا نہ راحتِ جاں مہرباں حیف　　مری محنت گئی سب رائیگاں حیف
بنا بر مصلحت ہے یہ جو تم سے　　رہا ہے روٹھ دن دو چار یکرنگ
محبت کا عجب یکرنگ ہے رنگ　　کبھی عاشق کبھی معشوق ہیں ہم
برنگ شمع دائم تجھ لگن میں　　سجن روتے پھرے ہم انجمن میں
تا گلے تیرے لگوں اے یار میں　　روٹھتا ہوں اس سبب ہر بار میں

کیوں کھینچتے ہو تیغ سجن ہم میں دم نہیں
پنہاں نگہ تمہاری یہ گپتی سے کم نہیں

کہتے ہیں ہم پکار سنو کان دھر سجن　　گو غیر سے ملو گے تو دیکھو گے ہم نہیں
تجھ زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال
یک رنگ کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

دل مرا لے کے جو دبدھا میں پڑے ہو اس بھانت
کیا سجن اس کا کوئی جگ میں خریدار نہیں
پارسائی اور جوانی کیونکے ہو ایک جاگہ آگ پانی کیونکے ہو

(فرد، ایہام)

اس پری پیکر کو مت انسان بوجھ شک میں کیوں پڑتا ہے اے دل جان بوجھ

(ایہام)

برگِ حنا او پر لکھو احوال دل میرا شاید کبھی تو جاگے اس دلربا کے ہاتھ
جو کوئی توڑتا ہے غنچۂ گل دل کو میرے شکستہ کرتا ہے
نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے میرا صبر و قرار جاتا ہے
گر خبر لینی ہے تو لے صیاد ہاتھ سے پھر شکار جاتا ہے
لگے ہے جا کے کانوں میں بتوں کے سخن یک رنگ کا گویا گہر ہے
کیا جانئے وصال تیرا ہو کسے نصیب ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے
نہ تو ملنے کے قابل اب رہا ہے نہ مجھ کو وہ دماغ اور دل رہا ہے
اب تو تمھیں بنا ہے ہی ہم سے سجن پڑے
ہم سب طرف سے ہار تمھارے گلے پڑے
یک رنگ پاس کیا ہے سجن اور کچھ بساط
رکھتا ہے دو نین جو کہو تو نظر کرے
جس کے دردِ دل میں کچھ تاثیر ہے گر جواں بھی ہو تو میرا پیر ہے
چشم پیارے کی دیکھ مژگاں میں گویا سبزے کے بیچ آہو ہے
اس کو مت بوجھو سجن اوروں کی طرح مصطفےٰ خاں آشنا یک رنگ ہے

اگر شعر من می بود پیش مصرع ایں (۱) قسم موزوں کردم :

---

(۱) پیرس : چنیں می کردم

مست تلوّن اس میں سمجھے آپ سا

(اُلفت[۱] نے سانوری کی رُسوا کیا ہے ہم کو جامے کو اپنے ہم نے گویا اگر میں باسا)

(اہلِ دل کے تیں ضرر ہے خرمی سیں دیکھ لے
کھلکھلا کر جو ہنسا غنچہ، پریشاں ہو گیا)

(مداح خوش قدوں کا یک رنگ ہے عزیزاں
اس سیں ہوا ہے اوس کا ہر جائے بول بالا)

(میرے دل سے اُٹھیں کیوں نہ بھبھوکے
خیال از بسکہ ہیں اوس شعلہ خو کے)

(رقیب اس طور جلتے ہیں مجھے دیکھ گویا رشتے میں ہیں اوس شمع رو کے)

(جن صاحبوں کو کام نہ تھا عشق سے کبھی
یک رنگ اس جہاں میں وہ آرام کر گئے)

(نہ ہو سرکش جو مقصد پر نظر ہے (۲)..سرکشی میں بے ثمر ہے)

(رکھے ہے ..... (۳) سو یار و گرہ میں جس کے زر ہے)

(جدائی میں تیری اے صندلی رنگ (۴)..میں زندگانی درد سر ہے)

ناجی

محمد شاکر ناجی (تخلص)، جوانے بود (ہ) آبلہ رو، سپاہی پیشہ، مزاجش بیشتر مسائل بہ ہزل بود۔ معاصر[۵] میاں آبرو (بودہ) بندہ بار دیگ[۶] ملاقات کردہ ام۔

---

(۱) آخری دو شعر نسخۂ پیرس کے حاشیے پر درج ہیں۔

(۲، ۳، ۴) نسخے میں الفاظ واضح نہیں ہیں۔

(۵) ہمعصر با میاں آبرو۔ (۶) شیروانی : یک دو ملاقات کردہ بودم

(شعر ہزل خود را خود می خواند) و مردماں را بخندہ می آرد و خود نمی خندید دگر گاہے تبسمے می کرد۔ و ظلش شاہ جہان آباد جوان از جہاں رفت، (خدایش رحمت کند) اشعار جستہ جستہ او انتخاب(۲) کردہ نوشتہ می شود۔ (من کلامہ):۔

رواکب ہے مجھ اوپر تیغ کو ہر دم علم کرنا
میری تقصیر کچھ کی ہے ثابت یا ستم کرنا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل
کٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا

ٹکیں حسن دیکھ کر پی کا رنگ گل کا لگا مجھے پھیکا
دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

برمتامل پوشیدہ نیست کہ پیش مصرع ایں چنیں می بایست (اصلاح مؤلف) مصرع:

مت رکھے چشم کرم دولت سے اپنے خود کی
گر سلیماں کا تخت دیں مت لے کہ سب آخر کو جائے گا برباد

تیری نگاہ کی کثرت سے اے کماں ابرو
ہمارے سینہ میں تو ہوا ہوا ہے تیروں کا
پیالہ پوے ہے سو نہ ورواں سے کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

کرے کرم اے مہرباں پھر ہم کہاں اور تم کہاں
نہیں دیکھ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

---

(۱) انجمن: شعر ہزل خود را می داند
(۲) پیرس: منتخب۔

تکلیف کھینچے حد سے زیادہ رکھے جو فیض
گو نام کو نباہے پہ کھاوے کیا اپنے ہاڑ

ملنے کو نوخطاں کے واعظ بُرا کہے ہے مجھول ہیں یہ باتیں ہم خوب جانتے ہیں
عید ہوتی تھی جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر
اب بتا دیں طے کا روزہ دیکھ کر مہمان کو

آج تو ناجی سجن سے کر تو اپنا عرض حال مرنے جینے کا نہ کر وسواس ہونی ہے سو ہو
غم نہیں گر دلبری سے دل کو لے جاتا ہے وہ
پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

کیا فسردا کا وعدہ سرو قد نے قیامت کا جو دن سُنتے تھے کل ہے
ہوا جب آئینہ میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منھ دیکھتا کیا ہے

موجی ہے اپنے دل کا مچھی نہ دے کسے سے
اور اب مخالفوں میں وہ بات ہی ڈبوئی

نہ جانا یہ کہ اس پر کئی مرے ہیں عبث کرنے گیا میں گور پر گور
نرگس کے تئیں میں ہرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھیں ہیں میں نے آخر پیارے تمھاری آنکھیں

دیکھ دلبر تیری کمر کی طرف پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف
حشر میں پاکباز ہیں ناجی بدعمل جائیں گے سقر کی طرف

مجکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا لے چلا جب دل کے تئیں منھ دیکھتا میں رہ گیا
ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب دریا پہ زلف
حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں بہہ گیا

امیرا کے در بدر مقدور جب تک ہو نہ جا
سخت حاجت ہو تو جا، لاچارگی ہے جاضرور

چاہیئے اشراف کو مفلس ہو مجلس میں نہ جا
گو کردہ بلا نہ ہو پر بوجھتے ہیں سب حقیر

جہاں دل بند ہو ناجی کا وہاں آوے خلل کرنے
رقیب لاولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ہے

(رکھیں[1] ہیں جب سیں وو پیارے نیں تلیں
پڑا ہے نوخطاں کا دل خلل میں

تو رآنکھوں کے دیکھی آج اوری — زمانہ کچھ کا کچھ پھر جائے پل میں
فقط لا کفر ہے اسلام دیں پر — مسلمانی رکھی ہے حق کے کلیں
قفس ہے شہر دیوانوں کے حق میں — (بن آئی[2] سیر) مجنوں کے جنگل میں
یہ دل مُرسوا کرے ہے آدمی کو — بڑا دشمن ہے اے ناجی بغل میں)

پیام

(شرف الدین[3]) علی خاں پیام۔ شاعر قرار داد شاعران فارسی عہد خود بود۔ صاحب دیوان ریختہ نیز (ہست)۔ از خاک پاک اکبر آباد است۔ بندہ اکثر ملاقات کردم[4] چنانچہ بامیاں نجم الدین علی سلام (تخلص) کہ خلف الصدق اوست،

---

(۱) نسخۂ پیرس کے حاشیے پر یہ غزل درج ہے۔

(۲) نسخۂ پیرس کے الفاظ واضح نہیں ہیں۔ متن کی تکمیل دیوان شاکر ناجی (مرتبہ ڈاکٹر حسنین حق) سے کی گئی ہے

(۳) انجمن : اشرف الدین۔

(۴) پیرس: کردہ ام۔

حقیر را اخلاص دلیست۔ ہمیشہ اتفاق باہم نشستن وفکر شعر کردن وگپ[1] زدن (اکثر ے) می افتد۔ احوال او ہم نوشتہ خواہد شد، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ از دست (پیام):

بات منصور کی قبولی ہے ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

(قطعہ)

دلّی کے کج کلاہ لڑکوں نے کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

احسن اللہ

میاں احسن اللہ۔ مردے بود معاصر[2] میاں آبرو۔ طبعش بسیار مائل بہ ایہام بود۔ ازیں جہت شعر او بے رتبہ ماند۔ دیگر احوالش معلوم من نیست۔ از دست[3]

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ
کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

سعادت

میاں سعادت علی، از سادات امروہہ بود۔ مردے سلیم الطبع، کم سخن، متواضع، سعادت تخلص می کرد۔ فی الجملہ چاشنی درویشی داشت۔ شعر او خالی از لطف نیست۔ با بندہ ربط بسیار داشت۔ (چند ابیات) از دست (سعادت):۔

کسی سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو وہ تیل میں ڈالے ہے ہات

---

(۱) پیرس: واختلاط داشتن (۲) پیرس: ہم عصر
(۳) پیرس: من کلامہ

ہوش کھو دیتی ہیں میرا اس کی آنکھیں سے پرست
بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالوں میں ہو جاتا ہوں مست

کیا صید آ ہوئے دل آ سواری سے میاں تم نے
کمر کی ڈاب نہیں کھولی گویا چلنے کی ڈوری تھی

واللہ جو سر لوح تیرا نام نہ ہوتا — ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا
یار سے جو رقیب لڑتے ہیں — یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں
اہلِ زر کے سیم تن ہوتے ہیں رام — صید ہو ہیں جس جگہ دیکھیں ہیں دام
پیسے کی طرح دار و کے شیشے — زبانِ حال سے کہتے ہیں پی پی

بے نوا

بے نوا تخلص۔ احوال او بہ تحقیق نمی پیوندد۔ در وقت محمد شاہ بادشاہ سنکرن نامی جوہری جوتی فروشے راکشت۔ بابت (۱) او بلوا شد، چنانچہ جوتی فروشاں در جامع مسجد مانع خطبہ گشتند۔ ظفر خاں (۲) روشن الدولہ طرہ باز شہر دارد۔ جوہری مذکور را پناہ داد۔ آخر ہنگامہ برپا شد و جنگ عظیم در میان امرایان عظام افتاد۔ بسیار از طرفین بقتل (۳) رسیدند (و) ظفر خاں روشن الدولہ تاب (۴) نیاورد و گریخت۔ ازیں سانحہ ایں تسم خفت کشید کہ ازاں باز از خانہ بدر (۵) نیامد۔ آں قصہ را شاعر مسطور در مخمس بست (۶) کہ ہنوز بالسنہ مذکور (مشہور) است۔ از دست:۔

---

(۱) پیرس: بہ جہت دعوی خون بہ جوتی فروش، جمیع جوتی فروشاں شہر در مسجد جامع بلوا کردند در روز جمعہ بود چوں خطیب خواست کہ بر منبر رود تا خطبہ ادا نماید، مانع گشتند۔

(۲) پیرس: نواب طرہ باز خاں روشن الدولہ جوہری مذکور (را) در ظل عاطفت خود پناہ داد

(۳) پیرس: کشتہ شدند — (۴) پیرس: تاب نیاوردہ گریخت

(۵) پیرس: بیرون — (۶) پیرس: بستہ است

(مخمس)

یہ کیا ستم ہے اے فلک ہرزہ نابکار　　مریخ بھر کے تیز کیا ہے خنجر کی دھار
جوتی فروش مرد مسلمان دیندار　　مردود جوہری نے لیا ہے ستم سے مار
سنگِ جفا سے چور کیا لعل آبدار
(جوتی فروش بیچ پڑی آ کے کھلبلی　　کیسوں کی کشتی ڈھیلی ہوئی اور عقل ٹلی
بے حد شمار مرحلہ سے جوتیاں چلی　　کیا نئی و کیا پرانی پشوری و گھیتلی
لاہوری، سیف خانی، چرن منڈی، پٹی دار)
کتنوں کو مار جی سے قضا نے گرا دیا　　کتنوں کو جی بچا کے بہت ہڑبڑا دیا
کاغذ پہ بے نوا نے یہ سُن کر چڑھا دیا　　گنتے ہی مار جوتیوں طرہ گرا دیا
تا حشر ہر زباں پہ رہے گا یہ یادگار

عطا

عطا نام او باشے گزشتہ[1] است در عہد عالمگیر بادشاہ۔ (دو بیت) از دست :-

اے در نبرد حسن تو کشتہ بچار چشم　　زیر مژہ نہفتہ چو آہو بچار چشم
(در کوے عشق خواجہ عطا بھیر بھاڑ ہے　　تو بھی کھسر پھسر کر و ربڑ کھسار چشم)

جعفر زٹلی

میر (محمد) جعفر، بہ جعفر زٹلی مشہور است۔ نادرۂ زماں و اعجوبۂ دوراں خود بود (ہ)۔ زبان گزندہ داشت۔ وضیع و شریف ہمہ از و ملاحظہ می کردند

---

(۱) پیرس: در جہان آباد دہلی در عہد بادشاہ عالمگیر بودہ۔

چیزے می دادند۔ چوں[۱] بخانۂ کسے می آمد و کاغذ ہمراہ گرفتہ می آمد، بریک پارچہ (کاغذ) ہجو صاحب خانہ و (پارچۂ) دیگر مدح او درآ۔ اگر[۲] مدارا از و می دید، مدح می خواند وگرنہ[۳] پرچۂ کاغذ ہجو را بال شہرت می داد۔ (چنانچہ) ہجو (شاہزادۂ) محمد اعظم شاہ پسر عالمگیر پادشاہ کہ در رقعات عالمگیری بہ عالی جاہ امتیاز دارد، کردہ:۔

(ہجو اعظم شاہ)

چہارم پسر دُومنی کا جنا برج میں رہے جوں .....

القصہ شعر ہزل بسیار دارد۔ چوں پیش اعظم شاہ باریاب شد، ایں شعر در مدح او بداہتاً[۴] گفت:

(مدح)

نگین سلیماں کہ تابندہ بود
ہمیں اسم اعظم برآں کندہ بود

صلہ[۵] لائق بہ جائزہ ایں مطلع یافت۔ (چوں اشعار ہائے سیر بذکور در ہر شہر و ہر مکان مشہور اند، برائے ایں نوشتہ نشد)

نقل ست کہ روزے بخانۂ مرزا (عبدالقادر) بیدل آمد و بر روے مرزا (معزی الیہ) ایں مصرع خواند:

چہ عُرفی چہ فیضی بہ پیش تو ہیچ

مرزا ازیں سخن بسیار (خفہ شدند بلکہ) ترآمد (ند) و زود رخصت کرد (ند)۔

---

(۱) پیرس: چوں بخانہ کسے می رفت دو کاغذ ہمراہ خود می برد۔

(۲) پیرس: اگر صاحب خانہ بہ مدارات و سلوک پیش .... ای خواند۔

(۳) پیرس: واگر کم بخشی صاحب خانہ آمد و ہیچ مدارات و مراعات .... پارچۂ کاغذ ہجو را برآوردہ پیش او خواندہ بخشش

سودا

مرزا (محمد) رفیع (سلمہ اللہ) متخلص بہ سودا کہ جوانیست، خوش خلق (و) خوش خوے، گرم جوش، یارباش، شگفتہ روئے۔ مولد او شاہجہان آباد است، نوکر پیشہ، غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و ہاعی ہمہ را خوب می گوید۔ سرآمد شعرائے ہندی اوست۔ بسیار (خوش فکر و) خوشگو است۔ بلاگردان ہر شعرش طرف لطف رستہ رستہ، در چمن بندی الفاظش گل معنی دستہ دستہ، ہر مصرع برجستہ اش را سرو آزاد بندہ، پیش فکر عالیش طبع عالی شرمندہ۔ شاعر رنگینہ،[1] چنانچہ ملک الشعرائی ریختہ اورا شاید۔[2] قصیدہ در ہجو (اسپ[3]) گفتہ (مسمّٰی) بہ "تضحیک روزگار"۔ دور از حد مقدور در او صنعتہا بکار بردہ مطلعش اینست :-

(بیت)

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار　　رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بیک قرار

اکثر اتفاق[4] طرح غزل باہم می افتد۔ غرض از مغتنمات روزگار ماست۔ حق تعالےٰ سلامتش دارد۔ از دست :-

بیکس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا　　گویا ہے یہ چراغ غریبوں کی گور کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا　　پانی بھی پھر پیوں تو مزا ہے شراب کا

---

(۱) پیرس : دیکھو طبع عالیش فکر عالی شرمندہ

(۲) پیرس : چنانچہ باید ملک الشعرائیست کہ وصفش در تحریر باید

شورش: چنانچہ می باید ملک الشعرائی اورا شاید

(۳) انجمن : است

(۴) پیرس: واکثر اوقات طرح غزل باہم می افتد

موج نسیم گرد سے آلودہ ہے بیٹھ — دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا
آہ کس طرح تیری راہ میں گھیروں کہ کوئی — سادہ رہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی کا
زباں ہے عمر میں قاصر شکستہ بالی کے — کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا
سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نہ کھینچ اے شانے ان زلفوں کو یہاں سودا کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا

پڑے رہ برق خار آشیاں میرے سے کہتا ہوں
اڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یہاں اٹکا

سودا ہوے جب عاشق کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اے دیوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موج آتش ہے سیل آنکھوں کا — دل کا شاید کہ آبلہ پھوٹا
نہ جیا تیری چشم کا مارا — نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
الٰہی ان نے اب ڈاڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

جو گزری ہم پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا — بلاکشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر — مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا
ترا جو مجھ سے نہیں ملنا مرا دل رہ نہیں سکتا — غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

ترے آگو سحر آنکھوں سے آنسو کیوں کہ چلتے ہیں

(قطعہ)

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا ان دنوں
تو بھی نہ اس کو جا کے ستم گار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سیر و باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

(خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب — تنہا پڑے ہوئے گرد دیوار و در دیکھنا)

یا جا کے اس گلی کو جہاں تھا ترا گزر — لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا
تسکین دل نہ اس میں بھی پائے تو پھر شغل — پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھکو غیر پاس — پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا
کسی دیندار و کافر کو خیال اتنا نہیں آتا — سحر کیا ہو چکی سودا کے جیو پر شام کیا ہوگا
سودا سے یہ کہا میں دل میں اسطرح سے کھونا — کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہے ہونا

گل میرے مشہد پہ کب بھیجے ہے وہ ابرو کماں
طرح غنچہ کے کھلے جب تک نہ پیکاں تیر کا
سودا سے میں یہ پوچھا دل میں بھی دوں کسی کو
وہ کر کے بیاں اپنی روداد بہت رویا

کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب — کیا قفس آباد ہو گئے کون سے گلشن خراب
ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست — میں پوجتا ہوں اس کو جو ہو آشنا پرست
کل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور — رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ
یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام — کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کو سمجھانے کی طرح
منعم نہ مر بنائے عمارت کی فکر میں — یے سب حویلیاں تھیں جہاں تک ہے اب اُجاڑ

گزری جس غم سے مجھے زندگیِ دو روزہ رکھے اس غم کو خدا شہر محرم سے دور

(قطعہ)

عقل میں ایک دن آکر یہ کہا سودا سے خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور
لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کریو پیارے جس کا ثمرہ رکھے تم کو دل عالم سے دور
انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز
کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز جا بجا سوت ہیں پانی کے تہ خاک ہنوز
(سودا کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز)
اے لالہ گو فلک نے دیے تجکو چار داغ چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

کون کہتا ہے مت اوروں سے ملا کر مجھ سے مل
جس کے ملنے پر خوشی تیری ہو مل پر مجھ سے مل

رنگ گل بے طرح دھکے ہے سن اے ابر بہار
آشیاں میرا چھڑک لگتی ہے اب گلشن کو آگ

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام
تسلی اس دیوانے کی نہ ہو جھولی کے پتھروں سے
اگر سودا کو چھیڑا ہے تو لڑکو مول لو پھڑیاں

ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں آوے گر تو خواب میں سو خواب ہی نہیں
مجکو نہیں ہے دل میں ترسے کیا کروں بے اثر ہے عشق مرا آہ کیا کروں
کس کی ہیں یہ چمن میں صبا خیر ایاں ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں
نہ پوج سنگ و گل اے شیخ اس صدا کو مان مرے صنم کی پرستش کر آ خدا کو مان
نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلی کلیاں
چمن میں لے کے خمیازہ کسی نے انکھڑیاں ملیاں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

بلبل خاموش ہوں جوں نقش دیوار چمن
نے قفس کے کام کا ہرگز نہ درکار چمن

ٹوک سے کانٹوں کی ٹپکے ہے لہو اے باغباں
کس دل آزردہ کے دامن کش ہیں یہ خار چمن

جیوتک تو دے کے لوں جو تو ہو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجکو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

جادو بھری ہیں چشم یہ آئینہ کو تو دیکھ
دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ پلٹے نظر کہیں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی نہیں جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

جرم ہے اسکی وفا کا کہ جفا کی تقصیر
کوئی تو بولو میاں منھ میں زباں ہے کہ نہیں

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

اس کشمکش سے دام کی کیا کام تھا مجھے
اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

بہار باغ ہو مینا ہو جام صہبا ہو
ہوا ہو ابر ہو ساقی ہو اور دنیا ہو

روا ہے کچھ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
ریا سے زہد چھپے راز عشق رسوا ہو

جو مہرباں ہیں سو دا کو مغتنم جانیں
سپاہی زادوں سے ملتا ہے دیکھئے کیا ہو

الٰہی ہے سکب نعم البدل کی تجکو دینے کی
مجھے اس کا حوض تو کچھ نہ دے پر بھیر لے دل کو

بوؤں میں تخم گل کو جہاں وہاں زقوم ہو
پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو

اپنے چمن کو فائدہ کیا تجھ سے اے نسیم
یہ چاہے وہ کہ یہاں دم عیسےٰ سموم ہو

کعبہ کی زیارت کو اے شیخ میں پہنچوں گا
مستی سے مجھے بھولی جس دن رہ میخانہ

مت ہنس مرے رونے پر آسان میں کہتا ہوں
ٹپکے ہے ابھی کوئی قطرہ اثر آلودہ

نسیم بھی ہے چمن میں اور اب صبا بھی ہے
ہماری خاک سے پوچھو تو کچھ رہا بھی ہے

قدم سنبھال کے رکھ خار دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

سودا جہاں میں آ کے کوئی کچھ نہ لے گیا جاتا ہوں ایک میں دل پر آرزو لئے

غیرت عشق آن کر سودا تو پروانوں سے سیکھ
شمع سے اپنا ہی ملنا دیکھ جل جاتے ہیں وہ

کس قدر اب کے ہوا مست ہے ویرانہ کی
کسی لڑکے کو نہیں سدھ کسی دیوانہ کی

سودا کو جرم عشق پہ کرتے ہیں آج قتل پہچانتا ہے تو یہ گنہ گار کون ہے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

اس حال کے بھبنے کا کچھ اسلوب نہیں ہے یہ کج روشی ہم سے فلک خوب نہیں ہے

کہنا تھا بنا گوش تری زلف کے آگے میں صبح قیامت ہوں مری شام یہی ہے

قاصد کے تئیں میں اپنے جو کچھ کہ دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

جس دن تیری گلی کی طرف ہو پون بھی
میں آپ کو جلا کے کروں خاک تو سہی

پہنچی نہ آہ تجکو مرے حال کی خبر قاصد گیا تو ان نے بھی اپنی ہی کچھ کہی

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

جس سرزمیں پہ جا کے روؤں تیری یاد میں دہقاں کچھ اس زمیں میں بجز دل نہ بو سکے

نہ ضرر کفر کو نہ دین کا نقصان مجھ سے
باعثِ دشمنی اے گبر و مسلماں مجھ سے

اس کی خو سے نہیں محرم انھیں رونے سے تہی کام
کیا کیا چاہتے ہیں دیدۂ گریاں مجھ سے

آگیا رات میں جوں دُزدِ حنا تیرے ہاتھ
ورنہ جا پاؤں کو لاگا ہی تھا چوری چوری

تجھ تیغ تلے کہہ تو رستم سے کہ سر دھر دے
پیارے یہ نہیں سے ہو ہر کارے دہر مردے

دل کے تئیں ایک عالم کہتا ہے خدا کا گھر
اے عشق اسے آتش دے ہے تو سمجھ کر دے

کھلنے تو لگا ہے دل جوں غنچہ ہمارا بھی
لیکن نہ صبا تجھ سے گا ہے بدم سر دے

سینہ کو رستموں کی نگہ تیری توڑ دے
آنکھوں کی ہر پلک صف محشر کو موڑ دے

مرجاں کا نخل ہوں نہ پھلوں برگ بائے
ٹپکے ہمیشہ خوں ہی شاخسار سے

خنجر طلب ہے مرگ سے ہر آہوئے حرم
دل پھر گیا ہے کس کی مژہ کا شکار سے

زاہد چلا ہے کعبہ کو اور برہمن کنشت
بندہ ہیں اس کے ہم جو کسی دل میں گھر کرے

جگ میں شراب خور کی تشہیر کے لئے
سودا جو محتسب ہو تو زاہد کو خر کرے

دولاب کی ہے حق بطرف تشنگی سے داد
پیمانہ کسی کے گلے کا ہار نہ ہووے

ہر دست خدائی میں تو یہ کہیے منادی
ظالم ہو جو کوئی سوط حدار نہ ہووے

کر ذبح شتابی مجھے صیاد کہ یہ صید
ہاتھوں ہی میں تیرے کہیں مردار نہ ہووے

میں کہتا ہوں دل اپنے سے کہ ننگ و نام سے گزرے
نہ ہوں گر اس میں یہ باتیں تو کیا آرام سے گزرے

مومن نہیں زنار سے آگاہ
اس رشتہ کو ہے سبحۂ اسلام میں راہ

اس بت کا برہمن ہوں کہ صوفی یا شیخ
کہتے ہیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

در منقبت(۱) جناب پاک مرتضوی صلوٰۃ اللہ علیہ گفتہ:۔

---

(۱) پیرایہ: در منقبت ..... آب نفس رسول زوج بتول مظہر اعجاب و مظہر الغرائب اسد اللہ الغالب علی ابن طالب صلوٰۃ اللہ وسلامہ گفتہ۔

رُباعی

ایوان عدالت میں تمہارے یا شاہ — کچھ ظلم کو ہے دخل عیاذاً باللہ
شیشہ کا جو وہاں طاق سے ٹپکے ہے پانوں — پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

کلیم

محمد حسین کلیم تخلص۔ از شاہ جہان آباد است۔ مردے سپاہی پیشہ، شاعر مقرر سے ریختہ بوضع خود۔ صاحب دیوان قصائد و مخمس و رباعی۔ طرزش بطرز کسے مانا نیست۔ اکثر بزبان میرزا بیدل حرف می زند۔ در فہم شعر تہ دار او فکر عاجز سخنان پشت دست بر زمین می گزارد۔ (و) طبع رواں او مانند سیل روانست و فکر رسائش (۱) آں سوے آسماں، بازوے فکرتش زور ریں کش کمان معنی را، شعر پیچدار، پر تاثیر او تیر کاکل ربا۔

اگرچہ (۲) کلیم در فارسی گذشتہ است، اما کلیم ریختہ پیش فقیر انیست۔

قطع نظر از آنکہ (۳) بندہ را بخدمت او قرابت قریبہ است، یک اخلاص تہ دلی دارم و اکثر (ے)۔ بحال ایں (۴) ہیچدان شفقت (و مہربانی) می فرماید، حق تعالےٰ سلامت (و شاد کام) دارد، (بحق محمد و آلہ)۔ از دست (۵):۔

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست — وے دن گئے کلیم کہ یہ (۶) شیشہ سنگ تھا

---

(۱) پیرس: و فکر رسائش باج از شعرائے متقدمین ہندی می گیرد

(۲) پیرس: اگرچہ در فارسی طالب کلیم گذشتہ اما در ہندی کلیم وقت خود است۔

(۳) پیرس: بندہ را با او قرابت قریبہ است بلکہ اخلاص تہ دلی است

(۴) پیرس: من (۵) پیرس: من کلامہ

درازی شبِ ہجران زلف یار کلیم — نہ مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں (۱)
ہو چکی حشر گئی دوزخ و جنت میں خلق — رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز (۲)
ہر تار پیچ زلف کے عالم کی جان ہے — گویا یہ اژدہا تھا کہ سب کو نگل گیا
قربان اس اکڑ کے عجب یہ مروڑ ہے — آشفتہ ہو گئیں پہ نہ زلفوں سے بل گیا
میں بانکپن سے تیرے نہیں ڈرنے کا رقیب — گر دل میں ہے تو مجھکو بھی للکار دیکھنا
کیا رقیب پر وہ در کے آج میں ماری ہے میخ — حلقۂ در کے نط گھر سے اسے بیروں کیا
نہ کچھ بُرا ہوا پرویز کا نہ شیریں کا — ترے ہی سر پہ اے فرہاد جو ہوا سو ہوا
نشاں مجھ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں — کہیں اس طرف ویرانہ کے ہوگا
نقاب اپنے رخ کا جو تو باز کرتا — تو گل اپنی خوبی پہ کیا ناز کرتا
وفا کا ہوں پرستہ نہیں توڑ پنجرا — چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

تجھے برق خار سے کام کیا جو حیا ہے حق کو تلف نہ کر
یہ ازل کے دن سے نصیب ہے کف پائے آبلہ دار کا

لگا جب غیر سے ہم طبق ہونے وہ مہماں کش
وہ اپنے ہاتھ دھوتا تھا، میں اپنے ہاتھ ملتا تھا

کیا ہوا زلف سے گرہ کھولی — میرے سر کا تو یہ گرہ نہ گیا
قبر میں بھی لئے ہمراہ گیا اپنے کلیم — آہ کیوں دردِ دل اپنا نہ کسی کو سونپا
وہی ایک ہے جو ان دونوں گھروں میں خلق ڈھونڈے ہے
پس اے زاہد اگر مسجد سے بت خانہ ہوا تو کیا
سر بھی ہے تیغ بھی ہے لگانا ہو تو لگا — کہیو نہ جان پھر کے کہ یہ جیو چھپا گیا

---

(۱) پیرس : مجھی سے پوچھ

(۲) پیرس : دیکھتا ہوں

تا صبح تجھ بغیر عجب میرا رنگ تھا
روشن تھی شمع آہ دل اس پر پتنگ تھا

زبان موج سے یوں بحر کہتا تھا حبابوں سے
کہ اپنا سر ہی کھاتا ہے جہاں میں جس نے سر کھینچا

اے شمع تیری باری ہے شب کو کہ شام تک
اپنے دنوں کو جتنا میں رونا تھا رو چکا

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہرگز اے کلیم
آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

تو نہ آیا باغ میں شمشاد غم سے خم ہوا
طوق قمری کا فغاں سے حلقۂ ماتم ہوا

کس پریشاں میں قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے
جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا

وہ مازک تن لطافت سے کسی کو نہیں نظر آتا
مقرر ایک جا تو ہے نہ کیا جانے کہاں ہوگا

وہی دیر، وہی بت وہی مالا
یہی انشاء اللہ تعالیٰ

چھپا ہے آہ مری چشم پر آب میں دریا
کہیں نہیں دیکھا ہے اب تک حباب میں دریا

پاس ناموس محبت ہے مجھے از بس کلیم
باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضائے عندلیب

دنیا نہ کر جوانوں سے یہ بوڑھا چوچلا
مدت سے ہم تو چھوڑے بیٹھے ہیں تجھے پٹ

ہمیں تو پانوں پر بھی سر کے رکھنے کو نہ فرمایا
ملیں ہم خاک میں اور لے ترا داماں یا قسمت

رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ
اے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ دار پیچ

برق نظارہ سے از بسکہ جلا ہوں نکلے
نگہ کرم جو کوئی ڈھونڈے مری خاکستر

لالہ و گل سے مجھے کام کیا میری وحشت
مجھ اوپر لائی ہے یک رنگ سے رنگ دیگر

زلف کو خواب میں دیکھا تھا جنوں شب کو
صبح بیدار ہوا پائی گلے میں زنجیر

بوسہ تو کچھ نہ تھا اے مری جان اس قدر
تن پر رہے ہو ہم سے برا مان اس قدر

سوز غم کھا چکا ہے دل اس پر جگر جلا
کہتا ہے مجکو زخم ہے اک آرزو ہنوز

جو صدا آتی ہے اس وادی سے ہے سینہ خراش
یہ کوئی دل روتا جاتا ہے نہیں بانگ جرس

ہم گم ہوئے ہیں ضعف سے جوں بو میانِ باغ
پھرتا ہے رنگ گل کہ ہمارا کرے سراغ

جوں کعبتین گھر میں مرے گل ہی ہے بساط
یک مشت استخواں ہوں اور شش جہت سے داغ

جو دینا تھا مانگے بغیر اس نے دیا ہے
کہئے وہ زباں جو کہ اس پر ہو سائل

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل
کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

ہم سے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب
ایسے کیا شیخ دیار سا ہیں ہم

تم جام دو پیارے کیوں کہ کریں نہیں ہم
خونِ جگر تھا تو بھی پی ہی گئے دو بیں ہم

تو یار مل کے ہم سے جب ایک ہو گیا ہو
کس کو بعید مانیں کس کو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں، ہم ہیں تو تم کہاں ہو
یا تم ہی سب ہو ہم میں یا ہم کے سب ہیں ہم

طریق عشق میں مجنوں و کوہ کن کے نہ کہہ
ہزاروں ہو گئے غارت سو ایک دو معلوم

مانند سرو ہوں کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے
بیکار باغ ہوں نہ سزاوارِ باغ ہوں

جب اصل مذاہب کو واعظ سیتی ہم پوچھا
تب ہم سے لگا کہنے قصہ و حکایتیں

رنگ اڑا مرجھا گیا اور جھڑ پڑا اشرمندہ ہوا
تجھ سیتی گل پر ہوئی کیا کیا خرابی باغ میں

(قطعہ)

جمعہ کو کہتا تھا واعظ سے کھڑا رندِ مست
کچھ نظر میں تجھے بھی سود و زیاں ہے کہ نہیں

یہ سخن ہے کہ نہ پی سے سو وہاں پیوے گا
یہاں تو پی لیجیے کیا جانے وہاں ہے کہ نہیں

نے دلبر میں یہ سوز تو معلوم اے مطرب
کسی کا دل ہوا ہے شاید اس پردہ میں آنالاں

کسی سے بھی نہ ملئے ایک گوشہ میں پڑے رہیئے
یہ فرصت یہاں تو نہیں ملتی ہے مرجانے میں ہو تو ہو

تیر ہے یا سناں ہے تیری نگاہ ہو گئی پار مجھ جگر کے آہ

تری جناب میں آیا ہوں یا الٰہ نہ پوچھ
یہی کہ بخش دے اور مجھ سے کچھ گناہ نہ پوچھ

کوئی گل کا میں عاشق نہیں یہ داغ مجھے بس ہیں
جانتا ہوں میں گلشن سے بلبل نہ ہو آزردہ

اب دم شمردگی سے مجھے کاروبار ہے ہر دم مرے حساب میں روزِ شمار ہے
غرورِ حسن ممکن نہیں کس کی داد کو پہنچے غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

تو اے باران رحمت آوج میں آ موج سے اپنی
کہ یک قطرہ میں میری کشت کا بھی کام ہو جاوے

جہاں میں یہ میں نہیں جانتا کہاں تو ہے پر اتنا جانتا ہوں سب تو ہی ہے جہاں تو ہے
میں کہتا تھا ساقی ایاغ اب کہاں ہے پٹھ دیر کے تئیں دماغ اب کہاں ہے
اس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہیئے دل اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیئے
دل پھر رہا ہے آبلۂ پا کی جوں کلیم جز خارِ دشت کے میرا غمخوار کون ہے

(رُباعی)

گلگشتِ چمن میں اچپلی سے نہ گیا یہ دل بھی کلی سے بے کلی سے نہ گیا
جو کوئی کہہ گیا چھوڑ گیا دل کو یہاں کوئی دل سے تری گلی سے نہ گیا

ہر چند لگاتے ہیں بتاں گل مہندی تیرے ہی قدم تلے گئی رُل مہندی
ہیہات ہیہات کیسا ہوگا وہ ہات جس ہاتھ سیتی داغ ہوئی گل مہندی

میر درد

میاں صاحب میاں خواجہ میر، سلمہ اللہ تعالیٰ، المتخلص بہ درد۔ جوش بہار گلستان سخن، عندلیب خوش خوان چمن ایں فن، زبان گفتگویش گرہ کشائے زلف شام مدعا، مصرع نوشتہ اش بر صفحۂ کاغذ از کاکل صبح خوش نما۔ طبع سخن پرواز او سرو مائل چمنستان انداز است۔ گاہے در کوچۂ باغ تلاش بطریق گل گشت قدم رنجہ می فرماید۔ در چمن شعرش لفظ رنگیں چشمن چمن، گل چین خیال او داغ گل سینی دامن دامن شاعر زور آور رسخیہ، (۱) در کمال علاقگی وارستہ۔ (مرد) خلیق (و متواضع (و) آشنائے درست۔

شعر فارسی ہم (بسیار خوب و مربوط و رنگیں) می گوید۔ اما بیشتر رباعی (۲) (او) گرمی بازار (و) وسعت مشرب اوست۔ غرض از آشنائی مطلب او بست۔

متوطن شاہجہان آباد (و) بزرگ و بزرگ زادہ (و) جوان صالح (و متقی) از درویشی بہرۂ وافی دارد۔ فقیر را بخدمت (گرامی) او بندگی خاص است (۳) اگرچہ حسن سلوک او عام۔ سر حسن سلوک بپا۔ لے خود گرفتہ، اعتزاز را از گوشۂ دل نہادہ۔

خلف الصدق حضرت خواجہ ناصر صاحب، سلمہ اللہ است کہ مقتدائے عالم است (۴)۔ ایامے کہ فقیر بخدمت آں بزرگوار شرف اندوز می شد، (۵) از زبان مبارکش می فرمود (ند)

(۱) پیرس : کہ از کمال جودت طبع داد سخن داده

---

(۲) پیرس : رباعیات

(۳) پیرس : واز حالت فقر

(۴) پیرس : او شان مقتدائے عالم اند

(۵) پیرس : بزبان مبارک خود

کہ میر محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد۔ الحمد للہ والمنۃ کہ (ایں) حرف آں سر سلسلۂ خدا پرستاں مؤثر افتاد (و) باطن آں خضر قافلہ اہل عرفاں کہ از ظاہرش ظاہر تر است زود کارکرد (و) مجلس ریختہ کہ بخانۂ بندہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ مقرر است (وابستہ)[1] بذات ہمیں بزرگ است زیرا کہ پیش ازیں ایں مجلس بخانہ اش مقرر بود۔ از گردش روزگار بے مدار برہم خورد۔ از بس کہ بایں احقر اخلاص دلی داشت۔ گفت کہ ایں مجمع را شما اگر بخانۂ خود معین بکنید بہتر است۔ نظر براخلاص آں مشفق عمل[2] کردہ آمد۔ خدااش (تا) ابدالآباد سلامت دارد۔ از دست:

(شعر در رد)

کبھو خوش بھی کیا ہے جیو کسی رند شرابی کا
بھڑا دے منھ سے منھ ساقی ہمارا اور گلابی کا

بجھے شعلے بھی کتنے، کتنی ہی موجیں مٹیں یارب
کبھو دل کی بھی ہوگا کام آخر اضطرابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یہاں فرصت سستی
فلک نہیں ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا

زمانہ کی نہ دیکھی جرعہ ریزی درد کچھ تو نمیں
ملا یا مثلِ مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

اکسیر پر محوس اتنا نہ ناز کرنا
ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جیدھر پھریں وہ ابرو اودھر نماز کرنا

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالۂ و فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

جگ میں کوئی نہ تک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسے میں رو دیا ہوگا

---

(۱) انجمن: داشتہ

(۲) پیرس: داشتہ قبول نمود

دیکھیے غم سے اب کے جو میرا — نہ بچے گا، بچے گا کیا ہو گا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں — کوئی غنچہ کہیں کھلا ہو گا
قتل سے میرے وہ جو باز رہا — کسی بدخواہ نے کہا ہو گا
دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا — آنسوؤں میں کہیں گرا ہو گا

عاشقِ بے دل ترا یہاں تک تو جیو سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دمِ شمشیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اس کو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے خاک کا یہاں ڈھیر تھا
حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب ورنہ یہاں
اپنے اپنے بوریے پر جو گدا تھا شیر تھا
شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشتِ دل میں ہو
درد منزل ایک تھی تک راہ کا ہی پھیر تھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا — تو ایک دن مرا جیو ہی جاتا رہے گا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے — مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تو — کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا
تو اپنے دل سے غیر کی اُلفت نہ کھو سکا — میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر — میں نیں تو در گزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا
جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر — تو بھی تو درد داغِ دل اپنا نہ دھو سکا
اندازہ وہ ہی سمجھے مری دل کی آہ کا — زخمی جو کوئی ہوا ہو کسی کی نگاہ کا
ہر چند فسق میں ہیں ہزاروں ہی لذتیں — لیکن عجب مزا ہے فقط جیو کی چاہ کا
دل اس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم داشتی — اے بے خبر بُرا ہے یہ فرقہ سپاہ کا

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نہ تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا
عاشق پھر جیو کے کیا کرے گا

اپنی آنکھوں میں اس کو دیکھوں
ایسا بھی کبھی خدا کرے گا

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہو سو ہوں غرض آفتِ سیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

نہ ملئے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
وگر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

یہ حسن و عشق مل سمجھیں گے یا آپس میں خوں ہو گا
پر ان دونوں کے الجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہے

یارب سپہر اتنی تو اب درگزر کرے
کوئی خانماں خراب کسو دل میں گھر کرے

نہ خانۂ خدا ہے نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دلِ خانہ خراب میں

ہیں اور مجھ سے درد و خریدارئ بتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں بہ کثرت نمائیاں
گر آئینے کے سامنے ہم آکے ہو کریں

ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول
منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے رو برو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی
دامن نچوڑیے تو فرشتے وضو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر
اے درد آکے بیعت دستِ سبو کریں

اس نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

آجائے ایسے جینے سے اپنا تو جیو بتنگ
جیتا رہے گا کب تلک اے خضر مر کہیں

مدت تلک جہاں میں ہنستے پھرا کئے
جیو میں ہے خوب رو بیٹھ کر کہیں

پھرتے تو ہو بنائے سج اپنی جدھر تدھر
لگ جائے دیکھیو نہ کسی کی نظر کہیں

ایک دل سو وہ بھی ہو ہی چکا صرف داغ سب　　بہتا پھرے ہے خوں میں کہیں کا جگر کہیں

(قطعہ)

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے　　اے خانماں خراب ترا بھی ہے گھر کہیں
کہنے لگا مکان معین فقیر کو　　لازم ہے کیا کہ ایک ہی جا گہ ہو ہر کہیں
درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست　　تو نے نہیں سنا ہے یہ مصرع مگر کہیں

مست ہوں پیر مغاں کیا مجھ کو فرماتا ہے تو　　پائے بوسِ خم کروں یا دست بوسی سبو
ٹال دینا اس کو نت ہر طرح جو قبلہ نما　　پھر مجھے ہر پھر کے آ رہنا اسی کے روبرو

ربط ہے نازِ بتاں کو تو مری جاں کے ساتھ　　جی ہے وابستہ مرا ان کی ہر ایک آن کے ساتھ
اپنے ہاتھوں ہی کے میں زور کا دیوانہ ہوں　　رات دن کشتی ہی رہتی ہے گریبان کے ساتھ
گر مسیحا نفسی ہے یہی مطرب تو خیر　　جی ہو ہی جاتے ہیں چلے تیر ہر ایک تان کے ساتھ

جی کی جی ہی میں رہی کچھ بات نہ ہونے پائی　　ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی
دید و وادید تو ہوئی دور سے میری اسکی　　پر جو میں چاہا تھا وہ بات نہ ہونے پائی

قطعہ

اٹھ چلے شیخ جیو تم مجلس رندوں سے شتاب　　ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی
جی میں مرکوز جو تھی آپ کی خدمت گاری　　سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

فرصت زندگی بہت کم ہے　　مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہے　　دونوں عالم کا ایک عالم ہے
اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن　　جو شجر ہے سو نخلِ ماتم ہے
درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم　　وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے　　زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے
تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا　　تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

قیمت ہے یہ دید و دادِ دیدِ یاراں
جہاں آنکھ مُند گئی نہیں ہوں نہ تو ہے

روندے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یہاں مجھے
اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

اے گل تو رخت باندھ اُٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے

پتھر تلے کا ہاتھ ہے غفلت کے ہاتھ دل
سنگِ گراں ہوئی ہے یہ خوابِ گراں مجھے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خون ہی رواں ہے
جو کچھ ہے دل میں میرے منھ پر میرے عیاں ہے

آہوں کی کشمکش میں کہیں دیکھیو نہ ٹوٹے
تارِ نفس سے اے دل وابستہ میری جاں ہے

یہ راہ خاکساری میں سر کے قطع کی ہے
نقشِ جبیں ہے میرا ہر نقشِ پا جہاں ہے

مت موت کی تمنا اے درد ہر گھڑی کر
دنیا کو دیکھ تو سہی تو تو ابھی جواں ہے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے

دل دے چکا ہوں اس بت کافر کے ہاتھ میں
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

ماہی سے کچھ نہ ہووے بیان شست کی خلش
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہ ہووے
تو کوئی نظر قابلِ دیدار نہ ہووے

پھر موت کسو طرح سے نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

گزرے نہ ترے سامنے سے کوئی کہ وہیں
شیشہ کی طرح دل کی نگہ پار نہ ہووے

دل ریزۂ ستمگارِ سے اظہارِ محبت
ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

دیکھ لوں گا میں اسے دیکھیے مرتے مرتے
یا نکل جائے گا جی نالہ ہی کرتے کرتے

لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یہاں مجلس ہی
خالی ہوئی جائے ہے پیمانے کے بھرتے بھرتے

درد جوں نقشِ قدم تھا سرِ رہ اس کے
مٹ گیا اوروں کے ہی پاؤں کے دھرتے دھرتے

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بے داد کرو — یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو
کوئی دم جو چپ رہا تھا میں جانا کہ مر گیا — اے وائے درد تو نے بھر اب نہ سر کیا
ساقی ہوائے ابر میں رو رو کے تجھ بغیر — ایسا ہوا کبھی نہ کہ دامن نہ تر کیا
وحدت نے ہر طرف تیرے جلوے دکھا دیے — پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دیے
یارب تھی کیا خرام وہ جس نے ایک آن میں — کتنے ہی مُردے حشر سے آگے جلا دیے

سیلاب اشک گرم نے اعضا میرے تمام
اے درد کچھ بہا دیے اور کچھ جلا دیے

سجّاد

میر سجاد، از اکبر آباد است۔ مرد طالب علم مستعد و شاعر خوب ریختہ (است)، شاگرد میاں آبرو (است) سجاد تخلص می کند۔ بسیار آدمی خوبے است۔ سخن او بپایہ استادی رسیدہ (و) چنیں خوشگو و معنی یاب اگرچہ در بند لفظ تازہ داست لیکن بر زبان خامۂ او خیلہائے معنی سپاہی(۱) می کند۔ لب و دہن ہر کم بغلے نیست، کہ پیش او چوں کاغذ سفید بشود (و) فکر رنگین او چمن تلاش را سایہ ابر بہارے (است) ہر مصرع بندش را طرف لطف با چنارے (و) ہر بیت بحر خفیفش(۲) بر جگر نشتر زن۔ زبان (لطافت(۳)) بیانش رگ (جان) سخن۔ بے انصافی امر علیحدہ است وگرنہ تہ داری شعر او نمایاں است۔ ہر کہ واقف موشگافی طبع اوست می داند کہ شعر سوختہ پیچدارش بوے آتش دیدہ می ماند۔

قبل ازیں بخانۂ او مجلس یاراں (و) ریختہ (خوانی) می شد۔ بندہ نیز می رفتم۔

---

(۱) پرس: سپاہی
(۲) پرس: حقیقتش
(۳) انجمن: طاقت
(۴) پرس: و

اکنوں بسبب عوارضات طرفین ربط[1] گونہ ماندہ است۔ (خدا سلامت دارد) از دست:۔

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یہاں کوئی مرجا تم سے ان کے تو کہتے ہیں حق ہوا

اگرچہ باطل باطل است لیکن بجائے کافر کہ اول پیش مصرع واقع است باعتقاد فقیر لفظ باطل حق است۔

گر تیرے کل کے آنے میں کھوئے نہیں حواس سجاد کیوں پھرے ہے سجن آج فق ہوا

ساقی بغیر جام کے جیو کا بچاؤ نہیں جیوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ بلا

کیوں مشت گل کبھی دل کی نہ رونے میں بہہ گئی
سجاد مجھ کو باقی ہے چشموں سے یہ گلا

غم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل
پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا

تجکو اے سجاد غیر از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

جو دل ہو گلوں سے اٹکتا ہوا وہ کانٹا ہے جیو میں کھٹکتا ہوا

بتاں تو چاہتے سجاد تجکو کریں پر کیا خدا نے جو نہ چاہا

گر تنگ زمیں پہ فوندے کی پیٹھ کو لگا دیں
جانیں ہم اپنے دل میں رستم کے تئیں پچھاڑا

آتش غم نے ہم کو سرد کیا دل پھپولا ہوا وہ درد کیا

بتوں کی کبھی یہ یاد دور نہ ہے ہمیشہ رہے نام اللہ کا

---

(۱) پیرس : اتفاق کمتر می افتد

(۲) پیرس : من کلامہ

اب جلانے تک آن کر ساقی
عمر کا بھر چکا ہے پیمانہ

عشق میں جائے گا کہیں مارا
بے طرح دل ہوا ہے آوارا

مقبول اس جہاں کا ہرگز غنی نہ دیکھا
راجا وہی ہے جو کوئی یہاں سے گیا ہے انا

سجاد کوئی دیکھے بے تابیاں تو دل کی
ہے زندگی ہماری یہ موت کا نمونا

یار سے دل ملا وہ غیر سہی
نہ دل اپنا ہوا نہ یارا اپنا

لاؤ تے ہو میرے آگے کیا دوا
خون دل اپنا یوں میں یاد دوا

دل میں تو خطرہ نہ لا ہرگز طبیب
دیکھ کر میرے مرض کو لا دوا

جان و دل سب قبول ہے جانا
پر گلی میں تری نہ مجھے آنا

میں نے جانا تھا نشیند کرے گا دو حرف
شوق کے لکھنے کا سجاد نے دفتر کھولا

بیٹھے اگر خوشی سے آکر چمن میں بلبل
کر بال میں غلیلہ ایسا لگے کہ اڑ جا

خط کتر دا کے آج قینچی سے
ہم سے ملنے میں جائے ہے کتر

تیری شمشیر سے جدا ہو کر
سر مرا مجھ کو تن نہیں دیتا

کیا کرے پاؤں بھی کہ جنگل میں
کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

مرے دیکھ کر حال داماں کا
پھٹے کیوں نہ سینہ گریباں کا

سب کی نظر سے گر کر ایک دم میں پست ہو جا
گر مے کشوں میں آوے زاہد تو مست ہو جا

قاتل کی تیغ آگے جاتے ہیں ہم ندھڑکے
ہرگز ہمارے دل میں سر کا نہیں ہے دھڑکا

شتابی پلا دے کہ جاتا ہے ابر
جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

سجاد مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح
غصہ ہوا ہے یار میں کچھ ان دنوں غضب

چین دے ہے نہ چین لے ہے آپ
دل ہوا ہے ہمارے جیو کچھ پاپ

کبھی منزل یہ ہوئی نہیں پوری
بہت اس راہ کو گئے ہیں ماپ

ہر کام کا اگرچہ ہوتا ہے سہل اوّل
پر عشق کی ستم ہے کوئی ابتدا نہایت

ایک دکھ ہے عاشقی کے پیچھے میں
پانوں کے نزدیک راہِ دور دست

جلنے سے صدقِ دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ بات ہے کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

دل آبادی میں تنہا کھینچ مت رنج
کہ ویرانے میں دیوانوں کا ہے گنج

بند میں مت رہ دیوانے عقل کے
کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

غیر دل کو جان خواب میں غفلت کے ڈال کر
اک رات آ کے سوز ہو ہم پاس آنکھ موند

مر گئے پر اگر نہیں آسیب
کیوں یہ رکھتے ہیں قبر پر تعویذ

مت ہو نالہ عبث کو جا کاغذ
اپنے اوپر نہ حشر لا کاغذ

یہ دھواں سا فلک ستاروں سا
ہے نظر میں مری جلا کاغذ

آسماں ایک رقعہ دار نہیں
غم کے لکھنے کو ہو بڑا کاغذ

جیتے چمن کے بیچ بٹھائے ہیں نونہال
تعظیم تیری کرتے ہیں سب اُٹھ کے سرو قد

اس فصلِ گُل میں جوشِ جنوں کا ہوا ہے قہر
جنگل میں آ بھرا ہے نکل کر تمام شہر

ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ
لاگی ہے جس زمانہ سے جلتی ہے دھر دھر

سبھی جلتے تھے شمع و پروانہ
رات یہ دن تھے اہلِ مجلس پر

بادِ صبا سے زلفِ معطر کی ہم تلک
مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر

کوئی گم گیا ہوگا زلفوں کی راہ
بہت رکھتے ہیں اس سفر سے حذر

دیوانہ کا نہیں مطلب دیوانہ
تو کیوں نامہ یہ ہے سطروں کی زنجیر

شوقِ جنوں میں تیرے، عوض چاک جیب کے
نرگس چمن میں دیکھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

لختِ جگر ہمارا پانوں کے ساتھ کھا کر — کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چبا چبا کر
کیوں زرق برق کر کے نہ حاضر ہو تجھ حضور
ہیں تیرے گھر کے سب یہ زری پوش خواجہ تاش

کھا گیا مجروح دل میرے کو داغ — حال کیا کچھ گوشت کا کرتا ہے زاغ
میرے تمام حال کی تقدیر ہے یہ زلف — روزِ سیاہ و نالۂ شبگیر ہے یہ زلف
خاموش اس سبب سے رہتا ہے بیشتر — تنگ اس قدر ہے منھ کہ نکلتا نہیں ہے حرف
دور میں رخسار کے تیرے کہیں انصاف نہیں
خط چرا لے جائے دل کو اور باندھی جائے زلف

جس خوبرو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق
کہتے ہیں سارے اس کے تئیں حسنِ اتفاق

دل کو کبھی پیار دلا کر کے تو سجن — لاگا نہیں گلے سے مرے آ کے آج لگ
جب تک ترے بدن کو نہ عاشق بدن لگائے
مگنا نہیں ہے تب تئیں ہرگز کچھ اس کے اگ

زلفوں کے جب الجھتے ہیں اس ساتھ آ کے بال
دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت تب نکال

گلی میں تری بیٹھتے ہی سجن — ان آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل
تدبیر اور کچھ نہیں مجنوں کے حسبِ حال — لیلےٰ کے والدین اسے دیں شہر نکال
کیا جانتے تھے ہم سے مل کر کے اصل سے کل
اب کی بہار میں یوں ہو دیں گے فصل سے گل

سجاد فکر ہم نہ کریں کیونکہ شعر کی لگتے ہیں جا کے یار کے منھ سے سخن میں ہم

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جاوے اسے
خواہ زلفیں، خواہ ابرو، خواہ مژگاں، خواہ چشم

پھیر جاہیں خوبرو آنکھیں کریں، ہیں جب بناؤ
دے کے سر مر کے تئیں ہو جاہیں ظالم سیاہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں سب مزے در کنار ہوتے ہیں
ناخدائی ٹک ایک کر ساقی ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں
تیر ڈوبیں کسی نشانے پر میرے سینے کے پار ہوتے ہیں
اب تو ہم نے کیا گریباں چاک تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

برابر اپنے سجن بندگی کے کاموں میں نہیں ہیں دیکھتا صاحب کے کوئی غلاموں میں
کس طرح کوہ کن پہ گزریں گی ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

از مصنف: پنجمیں ہر دو مصرع شنیدہ شد
ہجر شیریں میں کیونکہ کاٹے گا کوہ کن یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے بھری ہوئیں
آنکھیں نشے کے بیچ تمھاری گلابیاں

میں جو اس کی گلی میں جاتا ہوں دل کو کچھ گم ہوا سا پاتا ہوں

سایہ میں ہم اس باغ کے ہر بلبل و گل کے ساتھ
مدت تئیں دیوار بہ دیوار رہے ہیں

دیکھوں طبیب درپے دارو ہے کب تئیں
مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں

جو اک دھج ہے ابروے خمدار میں کہاں پائی یہ ضرب تلوار میں

ہر سادہ رُو مخطّط ہونے کی دھن رکھے ہے
لیکن کوئی نکالے تیرا سا خط تو لکھ دیں

جب کرے ہے ترے دہن کا بیاں — منھ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں
تیغ تیری کے تلے دھر جائے سر — جان اتنا کوئی جی رکھتا نہیں
تیری وحشی نگہ سے جنگل میں — بھاگنے پر غزال بیٹھے ہیں

دونوں طرف جو منھ پہ ہیں موجیں سی جاریاں
لہریں ہیں میرے شوق کی زلفیں تمھاریاں

صیت شعر اب مرا ہوا ہے بلند — شاعروں کو کہو کہ فکر کریں
لبِ شیریں پہ اس کے مرتا ہوں — زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں
یہ بجا دے دل کے جلنے کی قدر — نہیں بوجھتی شمع اس کو بجھاؤ
میرا جلا ہوا دل مژگاں کے کب ہے لائق — اس آبلہ پا کو کیوں تم کانٹوں میں کھینچتے ہو

ہر چند در مثل تصرف جائز نیست زیرا کہ مثل ایں چنین است کہ "کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو" لیکن چوں شاعر را قادر در سخن یافتم معاف داشتم۔

دیکھ مہندی لگی ان ہاتھوں کو — پھول آ کر لگے ہیں پاؤں کو
تو روزِ وصل ہیں لے بیٹھے پاس کن کن کو — یہ راتیں ہجر کی کاٹی تھیں ہم اسی دن کو
چھاتی ترقے ہے کھلتے دس کی گانٹھ — زرد ہو غنچہ کی طرح جس کی گانٹھ
سانپ کی طرح کنڈلی مارے ہے — زلف تیری ہے کوئی بس کی گانٹھ
نہ جوں زلف تیرہ ہے ہر دل کی آہ — فصیبوں سے ملتے ہیں بختِ سیاہ
تجھ آنکھوں تلے اندھیرا ہے — پتلیاں یہ نہیں ہیں سیاہ

دل جیسے خط کے سبزے میں کھلیان ہو گئے
پڑتے ہیں ایسے جنگ میں بھی کھیت گاہ گاہ

شرمندہ ہوگئی ہے ترے منھ سے آرسی (۱) — اب پھر کے روبرو ترے ہرگز وہ آئینہ

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز — یوسف اپنا پیرہن تہہ کر رکھے

رات اُس زلف کا وہ افسانہ — قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

آئینے سے خدا سے پیری میں — بُت پرستی ہے اور جوانی ہے

جو کوئی گرا سو آخر تحت الثریٰ کو پہنچا — ظالم کے گھر کی گلیاں کچھ کم نہیں کوے سے

بے تکلف ہو بھوں سے وہ ملے ہے سجاد — دخترِ رز بھی عجب طرح کی مستانی ہے

اگر شعر من می بود پیش مصرع ایں قسم می گفتم۔ (مصرع)

بے تکلف ہو پٹھ سر پر چڑھے ہے سجاد

ہاتھ ہی میں لہے ہے طفلوں کے — یہ تماشے کا دل کھلونا ہے

ملک ... ہر کرتم سنو نے — پُرانے دردمندوں کی ہی یہ لے

بختوں بازی کہیں سجن مل جائے — لیکن ایسے کہاں نصیب مرے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے — جو یہ کشتی ترے تو بس ڈوبے

(اگرچہ) ہمہ شعر سبحان اللہ، لیکن فقیر را از دیدن ایں شعر تواجد دست بہم می دہد، از بسکہ از خواندن ایں شعر حظے بر میدارم، می خواہم کہ بہ صد جا بنویسم

تمھیں غیر سے صحبت اب آ بنی — اسے دوستی ہم سے ہے دشمنی

بُتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے — یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے

جب تک نہیں پہنچتی ترے آستاں تلک — تب تک ہماری خاک کی مٹی خراب ہے

کچھ یہ سجاد کے جیو پر ہی عجب حالت ہے — ورنہ دیکھے ہیں اس درد کے بیمار کئی

(موچیں ..... شیخ ..... نوچے سے کیا اور پڑتی ہے)

---

(۱) حاشیۂ انجمن: آئے نہ = نہ آئے

حاشیۂ پیرس: آئینہ یعنی نمی آید ـــــ آئے نہ۔

اے صنم زنار پہنی تجھ وفا کے واسطے — ورنہ کوئی کافر نہیں ہوتا خدا کے واسطے

عاشقوں کا صنم لہو پی، پی — دم بدم تیری تیغ اوگلے ہے

ماہرو بن یہ شمع محفل میں — جیسی روشن ہے سب پہ روشن ہے

سپرداری اسکی کسی سے نہ ہو — یہ ابرو تری ننگی شمشیر ہے

پاؤں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں — کیا پھپولوں نیں سر اُٹھایا ہے

ہرگز آنے نہ دیں گے غیروں کو — جان ہرچند ہم گئے ہوں گے

حشمت

میر محتشم علی خاں حشمت تخلص۔ سید صحیح النسب بود۔ سپاہی، عمدہ روزگار۔ شاعر خوب فارسی و (شعر) ریختہ فہمیدہ، سنجیدہ (بسیار رنگیں میگفت، چنانچہ ترکیب بند مشہور کہ مثل وحشی گفتہ، شاہد حال ایں مقال است و مرد افتادہ بود) باہمہ (کس) بعجز و انکسار پیش (می آمد(۱)) جنسے بود کہ در دل ہمہ کس جاے او خالیست۔ از خاک پاک دہلی (شاہ جہان آباد) بود۔ در مغل پورہ سکونت داشت۔ برادر کلان او کہ میر ولایت اللہ خاں باشد از معتمدات روزگار است۔ دیریست کہ ترک روزگار کردہ خانہ نشین است۔ گاہے فکر شعر ہم می کند۔ بر فقیر شفقت و عنایت(۳) بسیار می کند۔ خدا در حفظ خودش (بسلامت) نگاہ دارد۔ و آں(۴) مرد از نامردی روزگار ناہنجار فوراً فوت شد۔ خدایش بیامرزد (دو سہ شعر بنمونہ طبع عالی آں مرحوم بہ تحریر آمد) از حشمت است:

---

(۱) انجمن: گذرانید۔ شورش میں بھی "می آمد" ہے

(۲) پیرس: بندہ۔

(۳) پیرس: عنایات بسیار

(۴) پیرس: و میر محتشم علیخاں مرحوم

نکہت گل نے نہیں جگایا کسے زنداں کے بیچ
پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ
بہار آئی دیوانہ کی خبر لو اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

کرم اللہ دردؔ

کرم اللہ خاں دردؔ، ہمشیر زادۂ نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر است۔ بسیار خوش فکر (و رنگین گو) و(۱) عاشق سخن (کہ سخن او) خالی از دردمندی نیست۔ خوب(۲) می گوید و خوب می فہمد۔ بندہ بخدمت او رفتہ یک ملاقات کردہ ام، طبع شورانگیزے دارد، مرد خوشبیست۔ خدایش زندہ دارد۔ ازوست:۔

مرے سینہ میں ہر یک سانس ہو کر پھانس کسکے ہے
خلش دل کی نکل جاوے تو کیا آرام ہو جاوے
سامنے ہوتے ہی پھر نعش نہ پائی دل کی
بٹ گیا نوکِ سناں پر صفِ مژگان کے بیچ

فغاںؔ

اشرف علی خاں، فغاںؔ تخلص، کوکہ بادشاہ احمد شاہ (ولد محمد شاہ بود و) داخل ذیل نیچۂ امرایان است۔ بسیار جوان قابل و ہنگامہ آرا۔ شعر ریختہ را بخوبی می گوید (و) گاہے فکر غزل فارسی ہم می کند۔ شاگرد

---

(۱) پیرس : و عاشق پیشہ

(۲) پیرس : الخ کہ خوب می گوید خوب می فہمد و طبع شورانگیزے دارد۔ بندہ را یک دفعہ اتفاق ملاقات شدہ است۔ و اختلاط بسیار بمیان آمدہ است۔ مرد خوبست، خدایش سلامت دارد۔

قزلباش خاں مرحوم است

دریں ایام (طبع او[1] بہ لطیفہ گوئی بسیار مایل است) چنانچہ ناگرمل را، کہ دیوان تن و دخیل پادشاہی است، گھمی[2] کی منڈی کا سانڈ، گفتہ، (ہر کہ دیدہ باشد، فہمیدہ باشد[3]) وحکیم معصوم را در دربار معلّی گاو گجراتی نام کردہ۔ ہر کہ حکیم صاحب را بیند۔ داند بندہ بخدمت او بسیار مربوطم۔ از دست (کہ چند شعرش بہ تحریر قلم می آید) :-

(وہ[4] چاہے یا نہ چاہے فغاں آپ چاہیئے
اپنے کیے کو ہاں میرے صاحب نبھائیے)

ساقی نہ میں یہاں آپ سے کچھ چشم تر آیا
دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا

آوارہ پریشان و شکستہ دل و بدنام
سُنتے تھے فغاں جس کو وہ آج ہی نظر آیا

شمع رو مت راہ دے خلوت میں پروانے کتیں[5]
اے ترے قربان ہم کیا کم ہیں جل جانے کتیں

مسموع گشتہ کہ روزے اشرف علی فغاں و نواب امیر خاں مرحوم در خدمت بادشاہ محمد شاہ، نوّر اللہ مرقدہٗ، استادہ بودند۔ بادشاہ از راہ شفقت و

(۱) انجمن : طبع او در مائل لطیفہ بسیار است۔

(۲) پیرس : نامش گھمی کی منڈی کا سانڈ گذاشتہ۔

(۳) انجمن : ہر کہ دیدہ باشد و فہمیدہ باشد۔

(۴) یہ شعر پیرس کے حاشیے پر ہے۔

(۵) یہ شعر اور اس سے متعلقہ عبارت انجمن میں نہیں ہے۔

مہربانی بہ فغاں فرمودند کہ دریں روزہا اگر شعر سنجیدہ تازہ گفتہ باشی، بخواں۔
فغاں مذکور چوں ایں شعر را تازہ گفتہ بود، بہ عرض اقدس اعلا رسانید،
بسیار مورد تحسین گشت۔ نواب امیر خاں گفتند کہ شعر بسیار رنگیں و مضمون روشن گفتہ اید
اما اگر بجائے لفظ "قربان ہم" "بل جائیں ہم" می بود، رتبۂ دیگر داشت۔ چوں حرف
"بل جائیں ہم" برائے سوختن پروانہ مناسبات کلی داشت، حضرت ظل (۱) سبحانی تحسین
فرمودند و ہمیں حرف مکرر بزبان مبارک خود خواندند "اے تیرے بل جائیں ہم"
گویا جان در قالب شعر دمیدہ شدہ۔ غفر اللہ لہٗ)

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سُرخ کا
کب آستیں تری مرے لوہو سے بھر گئی

ایں (۲) شعر را مرزا رفیع در غزل خود قطعہ کردہ است و چہ خوب کردہ۔

حاتم

شیخ محمد حاتم، حاتم تخلص۔ از شاہ جہان آباد است۔ (و) می گوید
کہ من با میاں آبرو ہم طرح بودم۔ مرد یست جاہل و متکبر و مقطع وضع، و بر آشنا
(مدمغ) غنا ندارد و در یافتہ نمی شود کہ ایں رگ کہن بسبب شاعری است کہ ہیچ من
دیگرے نیست یا وضع او ہمین است۔ (بہر حال) خوب است، مارا با ینہا
چہ کار۔ شعر بسیار دارد (و) دیوانش ناردیف میم

(۱) نسخے میں الفاظ واضح نہیں ہیں۔ یہ اضافہ قیاسی ہے۔

(۲) پیرس: و ایں بیت فغاں را سودا یعنی میرزا محمد رفیع، سلمہ اللہ، قطعہ کردہ و چہ خوب کردہ است:

شکوہ کرے ہے کیوں تو میرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

بدست[1] آمدہ بود (پارہ[2] اشعارش نگاشتہ می شود) بامن ہم آشنائے بیگانہ است،

از دست :-

مثالِ بحر موجیں مارتا ہے — لیا ہے جن نے اس جگ سے کنارا
آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا — ہیگا لباسیوں میں جن نے لباس رنگا
پانومت دھر بوالہوس بحر عمیق عشق میں — جان کو ڈوبا ہے یہاں انجان جو آکر ترا

نال کی سی طرح چاہے تھا کہ بالا دے مجھے
مدعی آخر کو اپنے زور میں آپ ہی گرا

آب حیات جا کے کسو نیں پیا تو کیا — مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا
ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی — کہ کہے سب جہاں وصال ہوا
تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے — بوریا کا نقش ہم پہلو مرا
ہر قدم پر سرد پانی ہے بہے — جو چلے وہ قامت دل جو مرا
حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے — کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا
ہائے بے درد سے ملا کیوں تھا — آگے آیا مرے کیا میرا

اگر شعر من می بود، این[3] چنیں می گفتم

مبتلا آتشک میں ہوں اب میں
آگے آیا مرے کیا میرا

پیش گرمی ایں مصرع دخنکی آں شعر روشن است

لیا اُس گلبدن کا ہم نے بوسہ — تو کیا چو ہاں رقیبوں نے ہمارا

---

(۱) پیرس : دیدہ شدہ

(۲) انجمن : دپارہ اشعار آں نگاشتہ می شوند

(۳) پیرس : پیش مصراعش چنیں می گفتم

شاید عمل کیا ہے رقیبوں کی بات پر لب تر دلوں کا چور پھرے ہے چھپا ہوا
نظر آتا تھا بکری سا کیا پر ذبح شیروں کو
نہ جانا میں کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گردا
ان دنوں میں دیکھ کر ہم کو ابھرتے ہیں رقیب
پیٹ ہے ان کا بھرا کل پر سوں مرتے ہیں رقیب
وصف آنکھوں کا لکھا ہم نے گل بادام پر
کر کے نرگس کو قلم اور چشم آہو کی دوات
مے پلا کر راہ کھویا ہے رقیبوں نے اسے
آوے حاتم کی طرف جب کہ کبھو مست آوے
پھنس لیتے ہیں مرے دل کو نگاہوں کے بیچ
حسن رہ زن ہے یہ پنجاب کی راہوں کے بیچ
(ہات حاتم کا پکڑ پا راتا رویا شاہ
گرچہ ہے غرق سدا بحر گناہوں کے بیچ)
(تم بنا جان نہیں، جان مرے، جان کے بیچ
تم مگر آ کے جلاؤ گے مجھے آن کے بیچ)
ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو
اب تلک سر ہے خجالت سے گریباں کے بیچ
(ہوئی زبان لال ترے ہاتھ سے کھاتے بیڑا
کیا فسوں پڑ (ھ) کے کھلایا تھا مجھے پان کے بیچ)
(آج حاتم سے سجن تم نے بُرا کیوں مانا
کیا خلل اون نے کیا آ کے تیری شان کے بیچ)

(عشق نے چٹکی لی جب آ کے مری جان کے بیچ
آگ سی بریاں کے بیچ)

(زلف و خال و چشم و خط چاروں ہیں دشمن دین کے
حق رکھے ایمان سلامت ایسے کفرستان کے بیچ

(اہل معنی جز، نہ بوجھے گا کوئی اس رمز کو
ہم نے پایا ہے خدا کو صورت انساں کے بیچ)

(گر عدو میری بدی کرتا ہے خاص و عام میں
میں اسے رُسوا کروں گا باندھ کے دیواں کے بیچ)

شعر خوبست لیکن لطیفہ متبدل شیداست کہ او در دیوان پادشاہے گفتہ بود، (۱)
بر روے امیرے کہ نامش از خاطر رفتہ است۔ در دیوان صاحب دیوانم صاحبم
عزت خود در دیوان من خواہند دید،

کوئی دیتا نہیں ہے داد بیداد کوئی سُنتا نہیں فریاد فریاد

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل
بجا ہے معذرت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر

آج نرگس کا قلم کر کے سجن لکھتا ہوں وصف آنکھوں کا ترے کاغذ بادامی پر
جب سوں تیری نظر پڑی ہے جھلک تب سوں لگتی نہیں پلک سے پلک
دیکھ طور اس دور کا حاتم نہیں کی ترک شراب
یاد کر کے سبز رویاں کو وہ اب پیتا ہے بھنگ

در لفظ سبز رویان (ہر صاحب سخن را) تامل کردن ضرور است زیرا (۲) کہ

---

(۱) یہ عبارت نسخۂ پیرس میں نہیں ہے۔

(۲) پیرس : چرا کہ

(ایں لفظ) آشنائے گوش ایں ہیچداں نیست۔

(ایہام)

خاصے سجن کا لمناتن سکھ ہے عاشقوں کو
گاڑھے رقیب سارے مرتے ہیں بات مل

دلوں کی راہ خطرناک ہو گئی آیا کہ چند روز سے موقوف ہے پیام و سلام
مارا ہے سنگ دل نے دکھا مجکو رنگ سرخ
تعویذ مجھ مزار کا لازم ہے سنگِ سرخ

یکرو

یکرو تخلص، مردے بود شاگرد میاں آبرو (دیگر) براحوالش اطلاع ندارم مگر دو سہ مرتبہ در مجالس ریختہ دیدہ ام۔ با آنکہ ہیچداں فن ریختہ بود و لیکن خود را ہمہ داں می شمرد۔ از وست:۔

دل پر مرے ہیں داغ ترے ہجر کے کئی
گنتے میں جن کے عمر میری سب گذر گئی

پاکباز

میاں صلاح الدین، عرف کھن، پاکباز تخلص۔ شخصے است گوشہ نشین، شاگرد میاں یک رنگ کہ احوالش نوشتہ آمد۔ بسیار کم اختلاط، گویا آشنا شدن ذاتی دارد۔ پسر میاں شاہ کمال، نبیرہ شاہ جلال، قدس سرہ، است

اکثر [illegible]

بتاریخ پانزدہم ہر ماہ قرار یافتہ (۱) است، اگر دماغ وفا میکند (البتہ) تشریف می آرد۔ مزاجش خالی از وحشت نیست۔ از وست :۔

جلوے تھا ترے حسن کے نت ہیں، پہ ہم کہاں
تم تو سجن ہمیشہ ہو، افسوس ہم نہیں
مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

بے تاب

محمد اسمٰعیل، بے تاب۔ مرد درویشے بود، شاگرد میاں بک رنگ (مصطفےٰ خاں) بسیار مربوط (و) مضبوط الاحوال۔ دریں ایام بخانۂ جعفر علی خاں می رفت کہ از پشت اسپ بر افتاد و دستش شکست۔ بیماری دو سہ ماہ کشید آخر از ہماں آزاد مرد (۲)۔ خدایش مغفرت بکند۔ با فقیر نیز آشنا بودند۔ از وست :۔

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل — تو کیا آرام سے رہتا مرا دل
تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں — پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

یقین

انعام اللہ (خاں) یقین تخلص، شاعر ریختہ، صاحب دیوان (است) از بسکہ اشتہار دارد، محتاج بہ تعریف و توصیف نیست۔ تربیت کردۂ

---

(۱) پیرس : مقرر است

(۲) ہمہ : رحمت الٰہی رفت

مرزا (جان جان) مظہر است۔

پدرش اظہر الدین خان نام دارد۔ باجدش (نیز) در سرہند ملاقات کردہ بودم۔ بسیار آدم (خوب) بامزہ یافتہ (شد) (و با فقیر) بسلوک (و تواضع) پیش آمدہ وضیافت فقیر کردہ۔ تا دیر نشستہ صحبت مستوفی داشتم۔ شعر فارسی بطرز (نیکو) می گوید[1]

آمدم بر سر مطلب، میان یقین را مردماں می گفتند کہ مرزا مظہر اورا شعر گفتہ می دہد و وارث شعر[2] ہا۔ ے ریختۂ خود گردانیدہ۔ از قبول کردن این (معنی)[3] بندہ[4] را خندہ می آید کہ ہمہ چیز بوارث می رسد الا شعر۔ مثلاً کسے بر شعر پدر خود یا بر مضمون او تصرف شود۔ ہمہ کس او را دزد خواہند گفت تا بہ شعر استاد چہ رسد!

القصہ پرد بوچے چند کہ یافتہ است، کہ ما و شما نیز می توانم یافت، این قدر بر خود چیدہ است کہ رعونت فرعون پیش او پشت، دست بر زمیں می گذارد (و) بعد از ملاقات این قدر خود معلوم شد کہ ذائقۂ شعر فہمی مطلق ندارد۔ شاید از ہمیں راہ مردماں گمان ناموزونیت در حق او داشتہ باشند۔ (و) جمع را ایں اتفاق دارند کہ شاعری او خالی از نقص نیست۔ چرا کہ شاعر ایں قسم کم فہم نمی باشد۔

---

(۱) پرس: می گفت

(۲) پرس: اشعار

(۳) انجمن: معنیش

(۴) پرس: فقیر

(۵) پرس و شورش: شاعری او یقینی نیست

از شخصے منقول است کہ بخانہ عطیۃ اللہ (خاں) کہ پسر نواب عنایت اللہ خاں مرحوم باشد، (انعام اللہ خاں) یقین نشستہ بود و می گفت: ازاں روز کہ مرزا دست استادی (۱) در سر من داشتہ است، شعر من ترقی کردہ شخص مذکور ایں مصرع نظامی را پیش حضار مجلس بآواز بلند (بر) خواند، مصرع:

شد آں مرغ کو خایہ زریں نہاد

حاصل او را بیضہ در کلاہ شکست

و میاں شہاب الدین ثاقب تخلص کہ احوالش (۲) نوشتہ خواہد شد، نقل می کرد کہ من محض برائے امتحان بخانۂ او رفتم و یک غزل طرح کردم۔ من غزل بانصرام رسانیدم و ازو مصرعے موزوں نہ شدہ۔ (و) اللہ اعلم۔

(و) میاں محمد حسین کلیم کہ احوالش گذشت، قصیدۂ گفتہ است مسمّٰی بہ روضۃ الشعراء۔ در و نام تمام شعراء را نقل کردہ (۳)۔ ازاں جملہ نام ایشاں را نیز آوردہ لیکن بکنایہ غریبے کہ سخن فہم می فہمد۔ و آں اینست:۔

یقین کے شعروں پر ہیں بدگماں بعضے کہ اس کے نہیں
غلط ہے ہم نے بوجھا ہیگا مرزا جان جاناں کو

نام مرزا جانِ جان است و شاعر جانِ جاناں بستہ۔ چوں اکثر عوام نام مرزا را از غلطی جانِ جاناں می گویند، شاعر مذکور نظر بر شہرت ہم چنیں موزوں کردہ،

---

(۱) پیرس: از سر من برداشتہ اند، شعر من ترقی نکردہ

(۲) شورش: از سر من برداشتہ است، شعر من ترقی کردہ

(۳) پیرس: احوالش

(۴) پیرس: درج نمودہ

(۵) یہ پیراگراف پیرس میں نہیں ہے۔

اگرچہ نمی بایست کہ گفتگوئے ما با خواص است۔

(۱۳) در بزرگ زادگی و شرافت و نجابت میاں یقین سخنے نیست۔ از خانوادہ بزرگیست[۱]۔ با بندہ ہم آشنائی سرسری دارد۔ ازوست :۔

دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

رو اگر دیجئے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں آئینہ سے بھی گیا کیا دلِ حیراں میرا

یقین اُس کے دُر دنداں کی باتیں جو کیا چاہے
صدف کی طرح دھولے آب گوہر سے دہن اپنا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کے بند
برگِ گُل کی طرح ہر ناخن معطّر ہو گیا

اگرچہ[۲] اکثر شاعران ریختہ را تبدل بند یافتہ ام۔ تبدل می گویند و توارد می نامند گویا کہ ایں شعر استناد در حق ایشاں است

ہر چہ گویند بے محل گویند
در توارد غزل غزل گویند

لیکن شعر یقین لفظاً لفظاً تبدل رائے آنند رام مخلص است کہ گزشت۔ طرفہ تر ایں کہ آں ہم سلیقۂ سرقہ یکہ بودہ است۔ خدا داند کہ ایں معنی در اصل از کیست شعر ایں است :۔

---

(۱) پیرس : بزرگ است۔

(۲) پیرس : شعرائے متقدمین ایں مضمون را بفارسی بستہ اند چنانچہ نوشتہ می شود لیکن معلوم نیست کہ کراست :۔

فارسی
ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وا می کنیم ما

از شخصے منقول است کہ بخانہ عطیۃ اللہ (خاں) کہ پسر نواب عنایت اللہ خاں مرحوم باشد، (انعام اللہ خاں) یقین نشستہ بود و می گفت: ازاں روز کہ مرزا دست استادی (۱) در سر من داشتہ است، شعر من ترقی کردہ۔ شخص مذکور ایں مصرع نظامی را پیش حضار مجلس بآواز بلند (بر) خواند، مصرع:

شد آں مرغ کو خایہ زریں نہاد

حاصل او را بیضہ در کلاہ شکست

و میاں شہاب الدین ثاقب تخلص کہ احوالش (۲) نوشتہ خواہد شد، نقل می کرد کہ من محض برائے امتحان بخانۂ او رفتم و یک غزل طرح کردم۔ من غزل بانصرام رسانیدم و از و مصرعے موزوں نہ شدہ۔ (و) اللہ اعلم۔

(و) میاں محمد حسین کلیم کہ احوالش گذشت، قصیدۂ گفتہ است مسمّٰی بہ روضۃ الشعراء۔ در و نام تمام شعراء را نقل کردہ (۳)۔ ازاں جملہ نام ایشاں را نیز آوردہ و لیکن بکنایہ غریبے کہ سخن فہم می فہمد۔ و آں اینست:۔

یقین کے شعروں پر ہیں بدگماں بعضے کہ اس کے نہیں
غلط ہے ہم نے بوجھا ہیگا مرزا جان جاناں کو

نام مرزا جانِ جان است و شاعر جانِ جاناں بستہ۔ چوں اکثر عوام نام مرزا را غلطی جانِ جاناں می گویند، شاعر مذکور نظر بر شہرت ہم چنیں موزوں کردہ،

---

(۱) پیرس: از سر من برداشتہ اند، شعر من ترقی نکردہ

(۲) شورش: از سر من برداشتہ است: شعر من ترقی کردہ

(۳) پیرس: احوالش

(۴) پیرس: درج نمودہ

(۵) یہ پیراگراف پیرس میں نہیں ہے۔

اگرچہ نمی بایست کہ گفتگوئے با باخراص است۔

(۱۳) در بزرگ زادگی و شرافت و نجابت میاں یقین سخنے نیست۔ از خانوادہ بزرگیست۔ (۱) بابندہ ہم آشنائی سرسری دارد۔ از وست :۔

دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

رو اگر دیجئے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں آئینہ سے بھی گیا کیا دلِ حیران تیرا

یقین باُس کے دُر دنداں کی باتیں جو کیا چاہے
صدف کی طرح دھولے آب گوہر سے دہن اپنا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کے بند
برگِ گُل کی طرح ہر ناخن معطّر ہو گیا

(۲) اگرچہ اکثر شاعران ریختہ را تبدل بند یافتہ ام۔ تبدل می گویند و توارد می نامند گویا کہ ایں شعر استاد در حق ایشاں است

ہر چہ گویند بے محل گویند
در توارد غزل غزل گویند

لیکن شعر یقین لفظاً لفظاً تبدل رائے آنند رام مخلص است کہ گزشت۔ طرفہ تر ایں کہ آں ہم سلیقۂ سرقہ یکہ بودہ است۔ خدا داند کہ ایں معنی در اصل از کیست شعر ایں است :۔

---

(۱) پیرس : بزرگ است۔

(۲) پیرس : شعرائے متقدمین ایں مضمون را بفارسی بستہ اند چنانچہ نوشتہ می شود لیکن معلوم نیست کہ کراست :۔

فارسی
ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وا می کنیم ما

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وا می کنیم ما

از یقین است۔

آنکھ سے نکلے پر آنسو کا خدا حافظ یقیں
گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہو گیا

یقیں سوز و گداز اپنے کو گر اظہار میں کرتا
خدا شاہد ہے آتش کا بھی زہرہ آب ہو جاتا

اگر مر کر نہ میں اس شوخ کی خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا یر کے حق میں کیا گماں کرتا

زباں فولاد کی ہو جب جواب کوہ کن دیوے
ستم ہوتا اگر پرویز کو عشق امتحاں کرتا

کہتے ہیں کہ تسخیر میں آئینہ کو آتی ہیں
دل سے نہ ہوا جو کام آئینہ سے کیا ہو گا

نہ دیتا عیش کی خسرو کو فرصت قصر شیریں میں
جو میں ہوتا تو جائے شیر جوئے خوں رواں کرتا

ناچارے دل اپنا گیا گور میں یقیں
اس جنس کا جہاں میں کوئی قدر داں تھا

عاشق اور معشوق کی عالم سند کرتے ہیں سب
تجھ سے خونخواری کی طرز اور مجھ سے غم کھانے کی طرح

اب جو اڑ بیٹھیں قفس کے بام پر مقدور نہیں
حیف ہم آگے نہ بوجھے اپنے بال و پر کی قدر

کیا کروں مژگان تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بے طرح امنڈے ہیں یہ برسیں گے زور

خال گورے کھ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف
خوش نہیں آ[illegible]

اس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جام شراب
دیکھ کر چھاتی بھر آتی ہے باراں کی طرف

ہمارے درد کی دارو اگر کچھ ہے تو دارو ہے
یہ سب سن کے ساقی بات پی جانے کا کیا حاصل

جب دیکھتا ہوں تنہا تجھ کو سجن چمن میں — کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں
مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھ کو — کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

اگر بجائے خوش نصیبی، خوش معاشی می گفت، ایں شعر بسیار بامزہ می شد۔

خوباں یقین کو معذور اب تو رکھو کہ اسکے — لوہو نہیں جگر میں آنسو نہیں نین میں

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اس کو کہتے ہیں
پھر اٹھنا بے دماغوں کا قیامت اس کو کہتے ہیں

نہ گزرا ہوگا مجھ سا کوئی رنگیں باؤلے پن میں
گریباں آپڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں

یقیں سے جلتے بلتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے
پڑا ہوگا دوانہ سوختہ ساکنج گلخن میں

کرتا ہے کوئی یار واس وقت میں تدبیریں — مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں
وہ ناخن ابرو خوباں سے خوشنا تر ہے — کسو کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو بے خوابی کے ساتھ
جمع آسائش کہاں ہوتی ہے بے تابی کے ساتھ

مفت نہیں لیتے وفا کو شہر خوباں میں یقیں
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھ

زنجیر میں زلفوں کے کاپس جانے کو کیا کہیئے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیئے

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے — ترا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

اس اشک و آہ سے سودا بگڑ نہ جائے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے کچھ جلا بھی ہے

یہ کون ڈھب ہے بجز خاک میں ملانے کا
کسی کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے

ایک پل بھی نہیں ٹھہرتا ہائے آنسو کی طرح
اس دلِ بے تاب کو کوئی تسلی کیا کرے

وصل کی گرمی سے مجھ کو ضعف آتا ہے یقیں
دیکھئے مجھ ساتھ خوبوں کی جدائی کیا کرے

اس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے
جیو میں ہے اس مصرعِ موزوں کو تضمیں کیجیے

مرنے سے عشق کے دو نرخ بھی اس فرقہ کے جنت ہے
خدا ہم کو کرے محشور اُمت میں محبت کے

نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

دیوانہ ہوں میں اپنے جیو سے مجنوں کے سلیقہ کا
مرنے لے لے کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے

یار اگر منظور ہے دنیا و عقبیٰ سے گزر
منزل مقصود ہے دونوں جہانوں کے پرے

مجھے یہ بات خوش آئے ہے اک مجنونِ عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گزرے بیاباں سے

(۱) فقیر نیز یک شعر دارد قریب باین معنی و با اعتقاد خود بمراتب ازیں شعر بہتر می داند۔ این است۔

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اب گریبان ہی سے ہاتھ اُٹھایا ہم نے

از یقین است۔

---

(۱) پیرس: فقیر نیز یک شعر گفتہ است قریب باین معنی و با اعتقاد خود بمراتب شعر خود را بہتر می داند

نہ دے برباد خارِ آشیاں کو عندلیباں کے
صبا تو بھی ہوا خواہوں میں ہے آخر گلستاں کے
تلک ایک انصاف کر کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

ثاقب

میاں شہاب الدین ثاقب تخلص۔ مردے درویشے است، متوکل، شاگرد میاں آبرو۔ اکنوں (۱) شعر خود را پیش خاں صاحب سراج الدین علی خاں می آرد۔ از چندے بوطن خود رفتہ (است) کہ از مضافات بارہ است۔ با فقیر آشنائی بسیار داشت (غرض) تحفۂ روزگار است (۲)۔ در ہمہ چیز (۳) دست دارد و ہیچ نمی داند۔ حاصل مردے (۴) خوبے است، زندہ (۵) باشد۔ از وست:۔

ثاقب کی نعش اوپر قاتل میں آ کے پوچھا
یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازا

---

(۱) پیرس : دریں ولا
(۲) پیرس : بود
(۳) پیرس : در ہمہ چیز دست داشت و ہیچ نمی دانست
(۴) پیرس : مرد خوب
(۵) پیرس : خدا زندہ دارد۔

[مخفی نماند کہ شاعران سمت ملک دکن اکثر بے رتبہ اند، مگر بعضے چنانچہ ولی محمد کہ صاحب دیوان مشہور و معروف است و سید عبدالولی عزلت و سراج و آزاد کہ ہمعصر ولی بود و عارف علی خاں عاجز کہ سررشتہ مربوط گوئی بدست ایشاں افتادہ است و باقی ہمہ درست حرف زدن نمی دانستند تا بہ شعر گوئی چہ نسبت۔ لہذا بر اشعار اکثر آنہا اکتفا کردہ نوشتہ می آید]

---

(۱) نسخۂ انجمن میں یہ پوری عبارت مبہم ہے اس لیے اس سے صرف نظر کرنا ہی بہتر سمجھا گیا

ولی

ولی (محمد، ملک الشعراء) شاعر ریختہ (زبردست) صاحب دیوان) از خاک اورنگ آباد است۔ می گویند کہ در شاہ جہان آباد دہلی نیز آمدہ بود۔ بخدمت میاں (۱) (شاہ) گلشن صاحب رفت واز اشعار خود پارۂ خواند۔ میاں صاحب فرمود (ند کہ) ایں ہمہ مضامین فارسی کہ بیکار افتادہ (۲) اند، در ریختہ (ہائے) خود بکار (۳) کبر از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت (و تحسین و توصیف فرمودند) از کمال شہرت احتیاج (بہ) تعریف ندارد (۴) و احوالش کما ینبغی معلوم من (۵) نیست۔ ازوست:

نہ پوچھو مشق میں جوش و خروشِ دل کی ماہیت
برنگِ ابر دریا پر ہے رومال عاشق کا

اس کے قدم کی خاک میں صد حشر ہے نجات
عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کو

غرورِ حسن نے تجھ کو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر تجھ گھر ولی آوے

خبرداری سے اس معشوق کے کوچہ میں جا اے دل
کہ اطرافِ حرم میں ہے ہمیشہ ڈر حرامی کا

---

(۱) پیرس: ودر خدمت
(۲) پیرس: افتادہ بودند
(۳) پیرس: بردہ ای
(۴) پیرس: نیست
(۵) پیرس: فقیر

اے غنچہ نہ کر تو فخر یہ دل تنگ ہے سجن کی بکتری کا
اے چھوڑ کے یار کیونکے جاوے زخمی ہے شکار کیونکے جاوے
(جب لگ نہ ملے شراب دیدار انکھیاں کا خمار کیونکے جاوے)
دیکھ کر تجھ نگاہ کی شوخی ہوش عاشق رمِ غزال ہوا
اور مجھ پاس کیا ہے دینے کو دیکھ کر تجھ کو رو ہی دیتا ہوں
کیا غم ہے اس کو گرمیٔ خورشید حشر سے بخت سیاہ جس کے سر اوپر ہے سایہ باں
مت راہ دے رقیب سیہ رُو کو ایک بار ڈرے ہزار مار بلائے مہیب سے
دشمن دیں کا دین دشمن ہے راہزن کا چراغ رہزن ہے
آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اس کو کرتی ہے نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی
کہاں ہے آج یارب جلوۂ مستانہ ساقی
کہ دل سے تاب، جی سے صبر، سر سے ہوش لیجاوے
عالم میں ترے ہوش کی تعریف میں کی ہے ایسا تو نہ کر کام کہ مجھ پر سخن آوے
سن ولی رہنے کو دنیا میں مقام عاشق کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے
جلد چل تک عشق کی راہ میں گر تا پہنچے کہیں
کاہلی کو رہ نہ دے سالک کہ منزل دور ہے
پہنچتا ہے یہ دل کہ ہر جاگہ غم ترا روزی مقدر ہے
عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں دلبر سے
سوال آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ
کیونکر سیری ہو حسن سے تیرے دھوپ کھانے سے پیٹ بھرتا نہیں
اے جان ولی وعدۂ دیدار کر اپنے ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو
یک دل نہیں آرزو سے خالی بر جا ہے محال اگر خلا ہے

گناہوں کے سیہ نامے سے کیا غم اس پریشاں کو
جسے وہ زلف دست آویز ہو روز قیامت میں

عزلت

سید عبدالولی سلمہ اللہ، عزلت تخلص۔ از (بندر) سورت اند (و) خلف الصدق حضرت سید سعد اللہ، قدس سرہٗ سورتی کہ مستند(۱) عالمگیر (بادشاہ) بودند۔ درویش وضع، عالم فاضل، بزرگ متوکل۔ مشق(۲) شعر فارسی ہم کردہ اند (صاحب دیوان فارسی اند، الحاصل مجموعۂ فضل و کمال اند) لیکن مزاج او شان میلان ریختہ بسیار دارد۔ تازہ(۳) وارد ہندوستان کہ عبارت از شاہجہان آباد است، شدہ اند۔ نسبتے تمام بسخن دارند۔ از اسالیب کلام شان واضح می گردد کہ بہرۂ بسائے(۴) از دردمندی دارند۔ باایں ہمہ کمال ایں قدر وسعت مشرب ہم رسانیدہ اند کہ در ہر رنگ چوں آب می آمیزند۔ با فقیر (بسیار محبت دارند، و) جوششہا می کنند۔ مرد با استقامت اند، خدا ایشاں را سلامت دارد(۵)۔ از وست:۔

فقیروں سے نہ ہو بیرنگ لالا فصل ہولی میں
ترا جامہ گلابی ہے تو میرا خرقہ بھگوا ہے

(۱) پیرس : مرشد
(۲) پیرس : شعر فارسی بسیار خوب و مزاوط می گویند
(۳) پیرس : از چندے وارد ہندوستان
(۴) پیرس : مانی
(۵) پیرس : حق تعالیٰ بسلامت دارد۔

جس خوش نگہ کو پہنچوں غفلت کی نیند لیوے
میں خفتہ بخت شب کا افسانہ ہو رہا ہوں

اس کو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں کسی دشمن سے سنی ہوگا
عزلت گماں یوں تھا کہ جل کر ہوا ہے راکھ
پھر دود آہ دل نہیں مرا دیدہ تر کیا

بندے ہیں تیری چھب کے مرے جمال والے
سب گل سے گال والے سنبل سے بال والے

اے بلبل اتنی رو کے دعا ہر سحر تو نہ مانگ
حق تیری آہ سرد چمن کی صبا کرے

نہ پوچھو یہ بگولا ہے مرا ہم قول صحرا میں
یہ قبر حضرت مجنوں ہے ڈانواڈول صحرا میں

ہوئے لیلےٰ کے سر چڑھ اشک مجنوں نیل کے چھینٹے
یہ موتی خاک لیتا نہیں کوئی مول صحرا میں

بیاباں کے گلوں سے بوئے رنگ درد آتی ہے
اری بلبل چمن میں دل اٹھا آ بول صحرا میں

نخل اُمید بے وفاؤں سے دل سلامت پھرے تو پھل پایا

صبح (۱) اپنا مرض الفت کا جب میں عرض کرتا ہوں
جلے دل کی تشفی کو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے

کیا گرم ہو دیتا ہے جواب خنک اے یار
تاب اپنے دم سرد کی نہیں دل کو ہمارے

---

(۱) پیرس : صریح

چین ابرو نے سجن میں میرا جیو اُلجھا ہے　　دل کھلے گر بھی دونوں میں گرہ پڑ جاوے
دل میں رندوں کے پھپھولا ہوا عمامۂ شیخ　　یارب اس بزم سے یہ زہر کا مکڑ جائے
سدھارے گل کہاں سونے پڑے ہیں گلستاں اپنے
گئی ہیں بلبلیں کیدھر جلا کر آشیاں اپنے
نہ پوچھو یہ کہ کیفی چشم یہ سُرمہ نے گھیری ہے
گریباں گیر ظالم بے سخن فریاد میری ہے
تجھ قبا پر گلاب کا لوٹا　　دل بلبل گویا ابھی ٹوٹا
بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا　　سوائے بے کسی اب اور آشنا نہ رہا

آزاد

آزاد تخلص، ہمعصر ولی بود۔ بسیار بصفا حرف می زد۔ ازوست۔

آئیں جہاں کی ساری آزاد صفتیں پر
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

سراج

(میاں شاہ) سراج۔ در اورنگ آباد شنیدہ می شود۔ شاگرد سید حمزہ (است) (و) ہمیں قدر از بیاض سید(۱) مسطور مستفاد می گردد۔ سخن او خالی از مزہ نیست۔ ازوست

تم پر فدا ہیں سارے حُسن و جمال والے
کیا خط و خال والے، کیا صاف گال والے

(۱) پدرس: سید عبدالولی صاحب

(مجھ زرد رنگ اور غصّے سے لال مت ہو
اے سبز شال والے اودھی) رومال والے)

پی بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند نہیں ستاروں کی کیا کمی

نہیں ہے تاب مجھے سامنے ترے جاناں
کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخمِ عشق کو ٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آجاوے

ہے تجھ آنکھوں کے گرفتاروں میں دل
کیوں نہ ہو مشہور بیماروں میں دل

شعلۂ خو جب سے نظر آتا نہیں
ٹوٹتا ہے تب سے انگاروں میں دل

مجھ پریشاں کی طرف پھر کیونکے آئے
ہے ترے گیسو کے مہکاروں میں دل

عجب وہ سرو گلزارا دا خوش قد ہوا واقع
پرِ بلبل نہال گل کو دستِ رد ہوا واقع

ہائے رہ گئی دل میں دامنگیریوں کی آرزو
سبزۂ تربت مرا ہے پنجۂ گیرِ ہنوز

نہیں حقیقت میں حسن و عشق جدا
طوق قمری ہے طرۂ شمشاد

مدت سے گم ہوا دل بیگانہ اے سراج
شاید کہ جا پڑا ہے کسی آشنا کے ہات

شکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا
شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

نہیں ہوا اس شمع رو کے عشق میں داغ ایک سراج
ہیں وہ حسن آتشیں کے ایسے پروانے کئی

تجھ بھواں کے زخم کی لایا ہے تاب
خوب جا بہلا ہے تلواروں میں دل

ہے قیامت چشم و ابرو خط و خال
قید کیوں کرتے ہو لاچاروں میں دل

گلبدن شاید نظر آوے سراج
رات دن پھرتا ہے بازاروں میں دل

نہ بوجھو آسماں پر تم ستارے
ہماری آہ کی چنگاریاں ہیں

نہ جانوں آج کی شب کیوں کٹے گی
میری آنکھوں میں پلکیں آریاں ہیں

(کبت بحر سراج)

مخمور چشموں کی تبرید کرنے کو شبنم ہے سرد آبشاروں کی مانند
روپے کی تھالی سفیدی ہے نرگس کی زردی ہے زر کے کٹوروں کی مانند
دل کے خزانے سیں شاید لے جاوے گا جی کے جواہر کو عیاریوں سیں
ہر دم خیال اوس کا آتا ہے آنکھوں کے روزن سیں چھپ چھپ کے چوروں کے مانند

عاجز

عارف علی خاں عاجز تخلص۔ وہ دوازدہ سال شدہ باشد کہ در شاہجہان آباد تشریف داشت۔ بندہ شور او شنیدہ بودم (لاکن بنجدمت او نرسیدہ ام) از چندیں بسمت دکن رفتہ۔ اکنوں از زبان سید مذکور بوضوح می پیوندد کہ در برہان پور است۔ دیگر برحسب و نسبش اطلاع ندارم۔ زبانش بزبان اوباشاں است (خوب می گوید) اکثر ریختہ در بحر کبت می گوید۔ (چندے ازو نوشتہ می شود و اکثر قافیہ ہائے نامربوط را خوب موزوں می کند) از دست:

(ہماری آہ کو لستا نہ سمجھو ہے بل بند — وہ گرز ہے کہ جو توڑے فلک کے ساتوں کھنڈ
تمہارے قد کے مقابل ہے سرویوں بے ڈول — نہال سرو کے کہ گے ہے جوں درخت ارنڈ
ترے کلام سے دل کیوں نہ کانپے اے ناصح — کہ تیری تیغ سے نصیحت ہے زہر پرے ٹھنڈ

---

(۱) پیرس: فقیر شور او درا

(۲) پیرس: حالا مدت است کہ طرف دکھن رفتہ است

(۳) پیرس: اکنوں از زبانی سید عبدالولی صاحب شنیدہ کہ در اورنگ آباد است

(۴) پیرس: می ماند

(۵) پیرس: واکثرے در بحر ..... وکبت ریختہ می کند۔

ترے رنگ تبسم سے بتوں کو دانت گلتی ہے
ترے عارض کے تل سے گل رخوں کو تاب ملتی ہے
ہماری آہ کے نیزے سے اے ظالم حذر کریو
کہ افلاک اُس کے زہر آلود پانی کے آگے چھلنی ہے
کہاں سے قافیہ لالا کے اپنے شعر میں ڈالا
ہیں عاجز دل میں تیرے داغ یا توں شیخ چلی ہے
میرے سینے میں جب سے داغ ہجر ماہ یسا ہے
خراش زخم ناخن سے ہلال کنج پر ایما ہے
اشارے جب سے دیکھے ہم نے اُوس کے تیغ ابرو کے
ہمارا دل تو تب سے لخت لخت اور قیمہ قیما ہے
خیال اُوس اچپلی کا کیونکہ پاویں دل میں ہم عاجز
کہ جس کے ناز کے توسن کے آگے برق دھیما ہے
نہ جانے دل خیال حلقۂ زلفوں میں ہے کس کے
کہ جی جاتا ہے میرا یار ہر دم مشک سانپس کے
تری آنکھوں کے وصف اے خوش نگہ جب خوب لکھتا ہوں
قلم کو ڈال کر لیتا ہوں چن چن پھول نرگس کے)
چشمہ کے برسنے کی باد چلی ہے اب آنکھوں سے جان بن آنسو چلیں گے
درد کے نیساں کے گوہر غلطاں تو مٹی میں کنکروں سے آ رلیں گے
تخت جنوں مرا وحشی دیوانوں نے سر پر اُٹھائے ہیں شوروں سے عاجز
اب میاں مجنوں بولوں کی مورچھلوں کو خرابی سیں آپ ہی جھلیں گے

(۱) صرف آخری دو شعر نسخۂ انجمن میں ملتے ہیں جو نسخۂ پیرس سے غیر حاضر ہیں، باقی اشعار نسخۂ پیرس سے نقل کئے گئے ہیں۔

ضیا

(۱) (مرزا عطا بیگ ضیا تخلص۔ در اورنگ آباد خجستہ بنیاد سکونت دارد و از قبل ازیں مشق سخن از شاہ سراج می گرفتند، حالیا از میر غلام علی آزاد افادہ حاصل می نمایند۔ احوالش کما حقہ معلوم نیست لکن از بیت کہ مسموع شد ظاہری گردد کہ خوش فکر اند، بیت :

پھول کے مونھ پر ستم سیں بارست دم لے سموم
یہ چراغ خانہ بلبل ہے، گل ہو جائے گا)

احمد گجراتی (۲)

احمد گجراتی۔ از دست :

ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خود گزر نکلے
نہ پائی راہ دانش میں خرد شاں بے خبر نکلے

نشاں (۳) بے نشاں ہم ملک یک رنگی میں پاتے ہیں
خبر چھوڑی دوئی کا ہم نے جب سے ست نگر نکلے

بھرے دو نین کے چھگلاں صبوری ساتھ لے توشہ
کمر ہمت سے باندھے ہو پریت کی باٹ پر نکلے

---

(۱) انجمن میں اس شاعر کا ترجمہ نہیں ہے۔

(۲) نسخۂ انجمن میں [illegible] مولوی عبدالحق صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ احمد صحیح ہے۔ [illegible] اب اس نسخے سے ان کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔

(۳) پیرس [illegible] ہیں ملک یک رنگی
[illegible]

نین کے ہاتھ کھپر لے، پھیریں درسن کی بھیکیاں کو
نہ پائی ایک در پر بھی بھکاری در بدر نکلے

رہے نادر خیالاں میں، ملے شوریدہ حالاں میں
ہوئے صاحب کمالاں میں کدھر سے آکدھر نکلے

قاسم مرزا

(از) قاسم مرزا ۔ اوہم ہیں (قسم وہمیں قافیہ) غزل گفتہ است ۔
معلوم نیست کہ کجائی بود :

گلے میں سر کی لٹ سیلی سوال ہے خال کا دانا
ہوئے جوگی تو کیا یاں واں جدھر نکلے، ندھر نکلے

شعوری

(۱)
شعوری جالا پوری ۔ ازوست

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کہ آفتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب

فضلی

(۲)
فضلی ۔ فضلی راست ۔ مثنوی ایں ہم یک نظر دیدہ ام ۔ شاعر خوبے نبود :

---

(۱) نسخۂ پیرس سے شعوری کا ترجمہ غیر حاضر ہے

(۲) نسخۂ پیرس میں فضلی کا ترجمہ نہیں ہے ۔

رکھا ہوں یتم جاں جاناں تصدّق تجھ پہ کرنے کو
کیا سب تن کو میں درپن اجھوں درسن نپائے ہوں

ربط بین المصرعین ایں شعر سبحان اللہ عجب ربط چسپانی است کہ مطلق معلوم نمی شود کہ چہ می گوید و چہ ارادہ کردہ است۔

صبائی

صبائی[1] احمد آبادی۔ از دست :۔

زر سے ہے آشنائی، زر سے ملے ہے بھائی
زر نہیں تو ہے جدائی دنیا جو ہے سو زر ہے

محمود

محمود[2]۔ از دست :۔

لوگاں کہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں لیکن
جو کوئی پیاسے سجھپڑا وہ سخت ہے پتھر سے

محمود تجھ میں دستا پورا ہنر وفا کا
ہے کیا عجب جو بھاوے تو پیو کو اس ہنر سے

سالک

سالک[3]۔ از دست :

---

(۱) نسخۂ پیرس میں صبائی کا ترجمہ نہیں ہے۔
(۲) نسخۂ پیرس میں محمود کا ترجمہ نہیں ہے۔
(۳) نسخۂ پیرس میں سالک کا ترجمہ نہیں ہے۔

پھروں بے ہوش ہوکر میں برہنہ پا بدل تیرے
یقیں بوجھوں تمن پیارے کہ سالک کو لبھایا ہے

ملک

ملک[۱]، از دست :

تن من فدا کروں اس ہشیار ساقی پر
یک قطرہ مے چکھا کر جن بے خبر کیا ہے

لطفی

لطفی[۲]، از دست :

تجھ عشق کی اگن سے شعلہ ہو جل اٹھا جیو — دل موم کے مونے گل گل پگھل گیا ہے
جیو کا چمن جلا سو جلتی انگار لے کر — اکلا کے آگ دینے میسو جنگل گیا ہے
میں عشق کی گلی میں گھائل پڑا تھا تس پر — جوبن کا ماتا آکر مجکو کھنڈل گیا ہے

فخری

فخری[۳] :-

دیکھوں میں جب تجھے تو چکا چوند لگ رہے
ہرگز کبھے نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب

---

(۱) نسخۂ پیرس میں ملک کا ترجمہ نہیں ہے

(۲) نسخۂ پیرس میں لطفی کا ترجمہ نہیں ہے۔

(۳) نسخۂ پیرس میں فخری کا ترجمہ نہیں ہے۔

ہاشم

ہاشم (۱) :

دکھن ہور ہند کے دلبر ہمن سے بے حجاب اچھتے
کہ کھڑتے چاند سے پرجن کے خط بیچ و تاب اچھتے

ہاتفی

ہاتفی (۲) :-

تیری انکھیاں ہور زلف سے کافر ہوا سارا جہاں
اسلام ہور تقوٰی کہاں، زہد اور مسلمانی کدھر

اشرف

اشرف (۳) :

پیا بن میرے تیں بیراگ بھایا ہے جو ہونی ہے سو ہو جاوے
بھبھوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہے جو ہونی ہو سو ہو جاوے

غواصی

غواصی (۴) :-

جو کوئی اس مزرعِ دل پر برہ کا بیج بوتا ہے
تو ہرگز اس کے بستاں میں گل امید ہوتا ہے

---

(۱) نسخۂ پیرس میں ہاشم کا ذکر نہیں ہے۔

(۲) نسخۂ پیرس میں ہاتفی کا ذکر نہیں ہے۔

(۳) نسخۂ پیرس میں اشرف کا ذکر نہیں ہے۔

(۴) نسخۂ پیرس میں غواصی کا ذکر نہیں ہے۔

خوشنود

(۱)
خوشنود :-

سب رین جاگے سحر پڑھ تو بھی سجن آیا نہیں
جب جب کے دیکھی باٹ میں درشن کو دکھلایا نہیں

جعفر

(۲)
جعفر :

غمزیاں سوں دیکھو شوخ مجھے مار کر چلے
مجروح تن سوں پہ راہ منیں تمھار کر چلے

عبدالرحیم

(۳)
عبدالرحیم :

آیا فراق اب پیو کا سدھ بدھ گنوا مجنوں کیا
جس باٹ وہ لیلےٰ گئی، اس باٹ مجھ جانا پڑا

عبدالبر

(۴)
عبدالبر :

سجن کے ہجر کا نیزا جگر کے بیچ لاگا ہے
نہ چونکے کیونکے اب طالع کہ سنوا نپہ جاگا ہے

---

(۱) نسخۂ پیرس میں خوشنود کا ذکر نہیں ہے
(۲) نسخۂ پیرس میں جعفر کا ذکر نہیں ہے۔
(۳) نسخۂ پیرس میں عبدالرحیم کا ذکر نہیں ہے۔
(۴) نسخۂ پیرس میں عبدالبر کا ذکر نہیں ہے۔

عزیز اللہ

(۱)
عزیز اللہ
غزلے گفتہ است کہ تمام اولیا را در وذکر کردہ است۔ مقطعش اینست:

مجھ نوجواں میں کیا سکت بولوں جو ولیاں کے صفت
عاجز عزیز اللہ او پر دکھن کے سب پیراں مدد

سعدی

(۲)
سعدی دکھنی۔ آنچہ بعض ایں را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گماں بردہ اند، خطا است۔ از وست:

ہمنا تمن کو دل دیا تم نے لیا اور دُکھ دیا
تم یہ کیا، ہم وہ کیا، ایسی بھلی یہ ریت ہے
دونین کے کھپر کروں، رُو رُو بخون دل بھروں
پیش سگ کویت دھروں، پیاسا نجاوے میت ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ
در در سنجتہ در ریختہ ہم شعر ہے، ہم گیت ہے

بیچارہ

(۳)
بیچارہ:

پیہ سے جدا ہونا نہ تھا، چاہا خدا کا یوں اتھا
جز صبر اب چارہ نہیں، بیچارہ ہو رہنا پڑا

---

(۱) نسخۂ پیرس میں عزیز اللہ کا ذکر نہیں ہے۔
(۲) نسخۂ پیرس میں سعدی کا ذکر نہیں ہے۔
(۳) نسخۂ پیرس میں بیچارہ کا ذکر نہیں ہے۔

حسن

حسن (۱):

جب تے سفر پی نے کیا تب تے غریب آوارہ ہوں
پی بیگ تے آنا کریں یا مجکو لیں بلوائے کر

حسیب

حسیب تخلص، احوالش معلوم نیست۔ از بیاض سید (عبدالولی) صاحب مذکور نوشتہ شدہ:

(گلبدن پھول کی مت توڑ کے ڈالی آرے
دیکھ ابھی شور کریں بلبل و مالی آرے (۲))

داؤد

مرزا داؤد (۳)۔ داؤد تخلص می کند. شاگرد سید صاحب است۔ این قدر ہم از زبان سید صاحب بہ تحقیق رسیدہ۔ اللہ اعلم۔ بارے مصرعے را درست موزوں می کند۔ از وست:

زلف دلبر سے مجکو سودا ہے
خلق کہتی ہے تجکو سودا ہے

میر میران

میر میران صاحب کہ سید نواز شش خان خطاب دارد و بکلید (۴) تخلص اوست (۵).

---

(۱) نسخۂ پیرس میں حسن کا ذکر نہیں ہے۔

(۲) انجمن: "گلبدن پھول کی مت توڑ کے ڈالی آرے دیکھ ابھی شور کریں بلبل و مالی آرے"

ہمیں قدر معلوم می شود ۔(ہمیں دو بیت شنیدہ شد)

آہ گر باغ سیں وہ سرو خراماں گزرے
اشک قمری سے گلستان میں طوفاں گزرے
سکے ہے آتش غم تیز در دنے میں مرے
ناوک ناز ترا دل سے نہ سوزاں گزرے

تجرّد

میر عبداللہ تجرد (تخلص، مرد طالب علم است) سید عبدالولی (صاحب) می گویند کہ شاگرد منست ۔ ازوست :۔

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورشید کیا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں

یونس

حکیم یونس ۔ احوال او معلوم نیست (کہ کجائی بود) از بیاض سید صاحب (معزی الیہ) نوشتہ شدہ :

صبح جب گلشن سے وہ گل رو گیا — باغ سے باہر نکل گل رو گیا
سے معطر اب تلک صحرا تمام — اس زمیں اوپر کوئی گل بو گیا
سو گیا جن نے جگایا تھا مجھے — بخت میرا جاگ اُٹھا تھا سو گیا

(موزوں) خواجم قلی خاں

نواب(۱) خواجم قلی خاں ۔ ہفت ہزاری صوبہ داری برہان پور راست

---

(۱) نسخۂ پیرس میں نواب خواجم قلی خاں کا ذکر نہیں ہے

از معتقدان سید صاحب است :

موزوں نہیں راہ عشق میں پھر اب قدم رکھا
ہے مصلحت سے دور بجا نوں کرے گا کیا

باقر حزیں

میر محمد باقر حزیں تخلص (۱)، شاعر ریختہ است، صاحب دیوان، از نصیر (۲) یاران مرزا جان جاں مظہر شنیدہ می شود کہ بہ بنگالہ رفت (۳)۔ دیگر احوالش تحقیق نمی گردد، ازوست :

اس بے وفا کے عشق میں کچھ مجکو جس نہیں
پانوں تلک کے ہائے مجھے دسترس نہیں

(جس دن سے ہم سُنا ہے کہ آخر ہوئی بہار
اُس دن سے چھو۔۔۔نے کی ہمیں کچھ ہوس نہیں

ویراں ہوئے خزاں سے چمن یہاں تلک کہ ہم
چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

بلبل پکارتی تھی اسیران گُل کے ساتھ
آئی بہار ہائے چمن میں قفس نہیں

توفیق دے کہ شور سے یکدم بھی چپ رہے
آخر میرا یہ دل ہے الٰہی جرس نہیں

کیا ان دنوں میں دھوم مچاتے تھے اب کے سال
باقی ہے یوں بہار حزیں ہائے بس نہیں

---

(۱) پیرس : محمد علی کاتب کا سہو معلوم ہوتا ہے
(۲) پیرس : انصاریان . (۳) پیرس : رفتہ است (۴) نسخہ انجمن میں صرف پہلا شعر ہے۔

یاد اب کیوں کر نہ آوے مجکو اپنا گلستاں — ایک دن سکھ سے نہ گذرا جب سے چھوٹا آشیاں
تک تو اے گل رحم سے بلبل کی کر خاطر نشاں — شوق کے مارے کوئی دم میں ابھی دیتی ہے جاں
دور سے بھی دیکھنے گل کو نہیں دیتا ہے ہائے — اس قدر کرتا ہے مجھ پر جور تو اے باغباں
اے حزیں بلبل کے دل پر باغباں کے جور سے — کیا کیا گزری ہوگی جس ساعت جلا ہے آشیاں)

حشمت

محمد علی حشمت ۔ از شاگردان غنی بیگ قبول (تخلص) است ۔ اکثر بر شعرا[1] مردماں اعتراضات بے جا می کرد ۔ وجواب باصواب می یافت (و) در شعر ریختہ کہ بسیار پاجیانہ می گفت، گپہا[2] دارد ۔ حاصل، عجب ہنگامہ پردازے بود ۔ دریں ایام ہمچو او سے ہم جم نمی رسد ۔ ہمراہ قطب الدین خاں در جنگ روہلہ کشتہ شد ۔

استاد عبدالحی تاباں بود ۔ خداش بیامرزد، از وست :

جب آخزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل — تب عندلیب رو کے پکاری کہ ہائے گل
خطمیں ترا حسن سب اوڑایا — یہ سبز قدم کہاں سے آیا

تاباں

میر عبدالحی تاباں، نوجوان بامزہ بود ۔ سید نجیب الطرفین، مولد او شاہجہان آباد است ۔ بسیار خوش فکر و خوب صورت (و) خوش خلق (و) پاکیزہ سیرت، معشوق عاشق مزاج ۔ تا حال در فرقہ شعرا[3] ہمچو او شاعر خوش ظاہر از

(۱) پیرس : اشعار
(۲) پیرس : وہم می شنید
(۳) پیرس : زمرۂ

(کمن[۱]) بطون عدم بعرصۂ ظہور جلوہ گر نشدہ بود۔ زبان رنگینیش پاکیزہ تر از برگ گل، گلستان سخن را نازک، داغ بلبل۔ سمندر رنگینی[۲] فکرش باگلگوں باد بہار (ی) طابق النعل بالنعل است۔ ہر چند عرصۂ سخن او ہمیں در لفظہائے گل و بلبل تمام است، اما بسیار برنگیں می گفت۔ از دیدن رنگ آتش بے اختیار از دہن من گل کمالش[۳] سری زد نسبت بشعر او استاد او را رتبہ شاگردی او نبود۔

بافقیر یک[۵] صفائی داشت۔ از چندے بہ سبب کم اختلاطی ایں ہیچمداں کدورتے بمیاں آمدہ بود۔ اجلش مہلت نداد کہ تلافیش کردہ آید۔

آخر آخر کہ اوائل[۶] جوانی او بود، ایں قدر مداومت شراب کردہ کہ ملاقات ہمہ یاراں موقوف شد۔ اکثرے از دوستانش کہ بخانہ او می رفتند، او را مست طافح[۷] می یافتند۔ ازیں جہت یاراں دیدن او را موقوف نمودہ بودند) و آب بردن ایں ماجرا را بہ بینند کہ ہشت ہفت روز زود ودیعت حیات سپردن او باقی ماند، یک مرتبہ توبہ کردہ وہمہ آشنایان (و دوستان) خود رقعہ ہا نوشتہ[۹] (بایں مضمون واقعہ) کہ عزیزان من

---

(۱) انجمن: ممکن، شروانی میں بھی ممکن ہے

(۲) پیرس: رنگینیش

(۳) پیرس: فکر عالی

(۴) پیرس: کمالیت

(۵) پیرس: صفائے کلی

(۶) پیرس و شورش: اول

(۷) پیرس: لایعقل

(۸) پیرس: لاکن بفضل و کرم الٰہی عاقبت بخیر شد کہ چون ہفت ہشت روز قبل از فوت خود توبہ نمودہ

(۹) پیرس و شورش: نوشت

(از شرب شراب) توبہ کردہ ام۔ شما شاہد و خبر گیران من باشید چرا کہ شراب بہ سبب کثرت استعمال مزاج من شدہ بود۔ (۱) از گذاشتن ایں از خود گذشتن من پر نزدیک می نماید۔ غافل انا حوال من بودن از عقل بسیار دور است۔ آخر الامر ہماں شد کہ گفتہ بود۔ حاصل آفتاب تاباں اوزود دلب بام رسید، معشوق عجیبے از دست روزگار رفت، افسوس افسوس، افسوس۔ امید قویست کہ حق تعالیٰ مغفرتش کردہ باشد۔ از دست (۲)

ہے سوز عشق یہاں تئیں مجھ میں بعد مرگ — پروانہ مرغ روح ہو شمع مزار کا

قد حلقۂ کماں اسی حسرت میں ہو گیا — تیر ہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

اخگر کو چھپا راکھ میں میں دیکھ کے سمجھا — تا آباں تو تہہ خاک بھی جلتا ہی رہے گا

پاس تو سوتا ہے چنچل پر گلے لگتا نہیں — فتنیں کرتے ہیں ساری رات ہو جاتی ہے صبح

جیو میں آوے سو، کہہ تو تا باں کو — لَیْسَ مِنْ فَیک شتمنا بقبیح

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

لگ رہی ہیں ترے عاشق کی جو آنکھیں چھت سے
تجھ کو دیکھا ہے مگر اُن نے لب بام کہیں

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیوں کر — بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

بال اپنے کھولتا ہے جب تو اے خورشید رو
چاند سے منھ پر ترے اس آجاتا ہے ابر

آتا ہے فاتحہ کو گاہ و رقیب ساتھ — لاتا ہے خار قبر پہ میری بجائے گل

---

(۱) شورش : از گذاشتن ایں از ہم گذشتن من تر [illegible] می نماید۔

پیرس : از گذشتن از ہم گذشتن من پر نزدیک می نماید

آشنا تو مجھے ہے ایسا کہ جیسا چاہیے
پر جو کچھ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوں
باراں ہو اور ہوا ہو سبزہ ہو اور ہم ہوں

ایمان و دیں سے تاباں کچھ کام نہیں ہے ہم کو
ساقی ہو اور مے ہو دنیا ہو اور ہم ہوں

لایا خاک میں گھر کو وہ کن کا ہائے خسرو میں
یہ کیا بات آگئی اس خانماں آباد کے دل میں

جفا تو چاہیے اے شوخ مجھ پہ یہاں تک تم
کہ سب کہیں مجھے رحمت تیری وفا کے تئیں

دیکھنا ان ماہرویاں کا تو اے تاباں نہ جھوڑ
چاہتا ہے گر ہمیشہ نور بینائی کے تئیں

میرے ہم مشربوں میں آ تاباں
رند بھٹکے ہوؤں گے حضرت مضاں

جوں برگ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے
کیا ہو کہ برگ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے

محفل کے بیچ سن کے مرے سوز دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بتاں تاباں جو شمع زباں میری
یہاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہگاری

سفیدی جو آئے ہے داڑھی میں تیری
سمجھ شیخ یہ تار و پود کفن ہے

شیخ جو حج کو چلا چڑھ کے گدھے پہ یارو
زور نہیں ظلم نہیں عقل کی کوتاہی ہے

رکھتا تھا ایک جیو سو تیرے غم میں جا چکا
آخر تو مجھ کو خاک میں تو ملا چکا

دیتا نہیں ہے ساقی اس ابر میں پیالہ
آتا ہے مجھ کو تاباں بے اختیار رونا

گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کہنے
کہ کچھ حاصل نہیں ہونے کا ساری عمر رو بیٹھا

تو بال کھول نہایا تھا ایک دن اب تک
ہر ایک موج کو ہے پیچ و تاب دریا میں

ہر ایک کو کیجو تیروں کا اپنے نشانہ
کہ یوں نہ مرے آستوانی ہلاکے تئیں

بہے اشک از بسکہ آنکھوں سے میری
لب جو ہوا ہے کنار گریباں

ہاتھ بے فائدہ زنداں میں نہ دوڑا مجنوں
طوق ہے تیرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں

خوانِ فلک پہ نعمتِ الوان ہے کہاں
خالی ہیں مہر و ماہ کی دونوں رکابیاں

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
تک تم کو دیکھ لیں ہم! جلدی سے جان پہنچو

میں گورِ غریباں پہ جا کر جو دیکھا
بجز نقشِ پا لوحِ تربت نہیں ہے

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم
وہ ایک دم ہی ترے رو برو ہو سو ہوا

آرزو ہی رہی پہ دانۂ تاک
قطرۂ مے کبھو نہ ہو ٹپکا

مرنے کے سے تو نہیں کچھ مرے آثار ہنوز
رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

کیا میں فرض کہ محشر کے تئیں مجھے بخشیں
جو تو نہ ہووے تو فردوس بھی جہنم ہے

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے
تجھے بے مروت محبت کہاں ہے

مری گور پر لوگ رکھتے ہیں گل کو
تری دلربائی کی غیرت کہاں ہے

بتاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

میرا جواب نامہ یہاں لکھ چکے پر اب تک
قاصد پھرا نہ لے کر وہاں سے جواب نامہ

گئے نالے ترے برباد مانندِ جرس چیہ
اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چیہ

تری ابرو سے نہ چھوٹے گا مرا دل ہرگز
گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

تو نے پی اس قدر ظالم کہ تجھ کو کیف کم ہووے
ترا بے ہوش ہو جانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

بتاں کے شہر نا پرساں میں کوئی کب داد کو پہنچے
مگر وہاں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

قیامت مجھ پہ کل کی رات اس کے ہجر میں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

(رباعی)

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی
بے خود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی

ہے مجھ کو خمارِ [illegible]

خاکسار

محمد یار خاکسار تخلص، عرف کلّو۔ شخصے است خادم درگاہ قدم شریف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم۔ شعر ریختہ می گوید و خود را دور می کشد و بسیار سفلگی می کند بلکہ از تنگ آبی بنائے ریختہ را آب رسانیدہ چنانچہ علی الرغم این تذکرہ تذکرۂ نوشتہ است بنام معشوق چہل سالۂ خود و احوال خود را اول از ہمہ نگاشتہ و خطاب خود (را) سید الشعراء پیش خود قرار دادہ۔ آتش کینہ کہ بے سبب افروختہ است چوں کباب بو می دہد۔ ایں قسم بپئے من ریسماں می تابد کہ (تو) گوئی پسر رسن تاب است۔ محمد معشوق کنبوہ کہ مردے است نائب میر بحر، بسیار گرم جوش و یار باش (است) چون شنید کہ خاکسار کلّو ہم نام دارد، بداہتاً[1] گفت، مصرع:

کتا ہے در بار کا کلّو[2] اس کا نام

چوں کلّو اکثر نام سگہا می گذارند، لطف ہم رسانید۔ ہر کہ لابۂ او دیدہ است،

می داند، فخر او ہمہ بر ریختہ است۔ طرفہ ایں کہ آں ہم نامربوط و خود او ہم نادرست۔

تقلید مرزا جانِ جان مظہر در ہر امری کند (با وصف آنکہ ہیچ رتبہ ندارد)

اگر کسے تکلیف شعر کند، گوید کہ وقتے بیمار بودم۔ آہ آہِ من ایں رنگ داشت۔ سبحان اللہ مردماں ایں را شعر می نامند۔ بابا! من شعر نمی گویم و با ایں برادران یوسف کہ ماشاء اللہ باشیم (ربطے ندارم، معاف دارید) الغرض بسیار کم فرصت و بے تہ است۔

---

(۱) پیرس: کلوا

(۲) پیرس: بدیہتہ

(۳) پیرس میں یہ جملہ نہیں ہے

ایں چند شعرے کہ بنام او نوشتہ می آید، از فیضِ سخن است، از و نیست:۔

دل شیفتہ ہو کے کیا لیا تیں — اے خانہ خراب کیا کیا تیں
تیری زلف سیہ سے اے پیارے — مجکو یک سر ہزار سودا ہے

خاکسار اس کی تو آنکھوں کے کہے مت لگیو
مجھ کو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

بر تتبع ایں فن پوشیدہ نیست کہ بجائے "بیمار کیا" گرفتار کیا می بایست۔

تیغِ قاتل سے ہوئے محروم بے تقصیر ہم — روزِ محشر کے اٹھیں گے گور سے دل گیر ہم
کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر — یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں
آہ جوں شمع ہے راحت مجھے مر جانے میں

خاکسار عاشقِ مے خوار کو تقوے سے کیا
ابھی دیکھا تھا اس رند کو مے خانے میں

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے — مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے
واسطے مین کے جاسیل سے لیوے گل کو
گھر ترے خانہ خرابوں سے جو بنیاد کرے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی
اس خانماں خراب کو چنگا خدا کرے

عشوہ و ناز کو ترے پیارے — یہ ترا خاکسار جانے ہے

شانہ آہستہ کیجیو حجام
مار[1] اس زلف کا رگِ جاں ہے

---

(۱) پیرس : تار۔

دردمند

محمد فقیہ دردمند (تخلص) ہرچند کہ بک ملاقات با او کردہ ام لیکن خوب از احوالش مطلع نیستم۔ ایں قدر (می) دانم کہ نظر بافتہ[1] مرزا مظہر مسطور است و اشعار او ہم بگوش فقیر نہ رسیدہ مگر چند بیت ساقی نامہ کہ در مدح ممدوح خود گفتہ۔ (از دست):

کرے کیوں نہ مشکل دو عالم کی حل — کہ جس کا ید اللہ ہے ہاتھ بل
کوئی آج اس کے برابر نہیں — وہ سب کچھ ہے اِلّا پیمبر نہیں

کہ ام محمد علی خانے داشت، در صفت او گوید:۔

پڑی اس کی خوبی کی از بسکہ دھوم
لیا ہاتھ قدرت کا صانع میں چوم

در شروع ساقی نامہ گوید:

ارے ساقی اے جان فصل بہار — یہی تھا ہمارا ترا قرار
ہمارے بسرنے کی یہ فصل نہیں — فراموش کرنے کی فصل نہیں

در قسمیہ گوید:

تجھے وعدہ کر بھول جانے کی سوں
تجھے اپنی سوگند کھانے کی سوں

در فخریہ گفتہ:

تری جان کی سوں عنیت ہوں میں — سلیقوں میں ظالم قیامت ہوں میں
مرا عقل میں کون انباز ہے — ارسطو مرا ایک دوا ساز ہے
فلک چرخ مارے گا گر صد ہزار — نہ لا دے گا مجھ سا کوئی رد بکار

---

(۱) پیرس: نظر کردہ

در اشتیاق گوید:

نہ یہ مے نہ یہ باغ رہ جائے گا
نہ ملنے کا یہ داغ رہ جائے گا

عاصمی

خواجہ برہان الدین عاصمی تخلص۔ شاعر ریختہ (است) و مرثیہ ہم خوب می گوید۔ وضعے معقولے دارد۔ در (شمشیر[1] شناسی) دستے[2] تمامے است۔ متوطن شاہجہان آباد (است) در بہادر پورہ سکونت دارد۔ و مزاجش مائل لطیفہ گوئی بسیار است (و) در علم تاریخ مہارتے[3] خوب پیدا کردہ۔

از منعمات روزگار است، اگرچہ روزگار با او مساعدت نمی کند۔ (خدا سلامت دارد) از وست:

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غُل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتایا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا، وہاں گل تھا
رات کو میں شمع کی مانند رو کر رہ گیا صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر بہہ گیا

شوق

میاں حسن علی شوق تخلص۔ از شاہجہان آباد است۔ سپاہی پیشہ شاعر ریختہ۔

(۱) انجمن: شمشیر شناسیش۔ شروانی میں بھی شمشیر شناسی ہے۔

(۲) پیرس: مہارت تمام دارد۔

(۳) پیرس: مہارت

شاگرد خاں صاحب سراج الدین علی خاں (است) بندہ را بخدمت او ربط کلیت اکثر اتفاق ملاقات (و اختلاط) می افتد۔ از دست :

قاصد پھرا نہ وہاں سے جواب تک، تو آچکا ۔ القصہ اس گلی میں گیا سو جا چکا
اے یاس مجھ کو کام اجابت سے کیا رہا ۔ وقتے کہ جب دعا ہی سے میں ہاتھ اٹھا چکا

اگر قاصد ترے کوچے سے ٹک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جیو ہی جاوے گا

میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ہوں ۔ لب زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں
عبور بحر دنیا میں سبک ساری سے کرتا ہوں ۔ حباب آسا شمار دم سے بے کشتی گزرتا ہوں
سراپا آرسی ہیں دیدۂ بیدار پر تو بھی ۔ تری اس چشم خواب آلودہ آگے ہو نہیں سکتے
مدت سے یہ بحث درمیاں ہے ۔ پر علم نہیں کمر کہاں ہے
کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا شاد ہم جاتے ۔ بزنگ شبنم اک عالم یہاں سے چشم تر گزرا
دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے مر گزرا ۔ مری فردائے محشر آج ہے میں کل سے در گزرا
ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں ۔ تربت پہ میری شمع کا ہنسنا بھی کم نہیں
تر دار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مر چکے ۔ پیاسے ہو کس کے خون کے تم تو دم نہیں
آچکا خط بھی پہ تیرا نت نیا اک ناز ہے ۔ ہو چکی آخر بہار اور اب نئیں آغاز ہے

خبر لے شوق کی ظالم تری فرقت سے مرتا ہے
بداز تلوار ہے اس پر جو کوئی دم گزرتا ہے

بجھے گی آتش دل ہم نے جانا تھا گھٹا آئی ۔ ہوائے ابر میں دو تی دلے یہ آگ بھڑکائی
بجز مروڑ کے عاشق سے کچھ خیال نہیں ۔ [illegible] کی زلف کو پانا بھی ہے سودائی
کیا کیا ستم نہ تھے جو کیے چشم یار نہیں ۔ یہاں تھیں مجھ [illegible] دکھا چکا
آج ہی ملو تو بہتر وعدہ غلط ہے کل کا ۔ جوں شمع اشک میں تو مہمان ہوں کوئی پل کا

رُسوا

رُسوا (تخلص) شخصے بود ہندو۔ حالا(۱) قید مذہب نداشت۔ پیش ازیں در توپ خانۂ (بادشاہی) نوکری (می) کرد۔ از چندے ترک روزگار گرفتہ آوارۂ دشت گمراہی شدہ۔ وضع ساختہ داشت۔ اکثر(۲) کہ در اثنائے راہ دیدہ شدہ است، مست گذارہ یافتہ ام۔ پیشتر (ازیں) عاشق طفل(۳) ہندوے بود۔ او از(۴) قضا مرد۔ (و) عاشقی او بہوس مبدل گشت۔ از بسکہ شراب می خورد و حالات مستی خود بمردماں می نمود۔ دراں پردہ غالبے را آب می رفت و بسر می برد۔ عریانی را(۵) لباس خود مقرر کردہ می گشت۔ آخر در ہماں برہنگی جامۂ (زندگانی) گذاشت۔ (چند شعر از و نوشتہ می آید) از وست:

(شمع بل جاتی ہے جلتے دیکھ پروانے کتیں
موم دل ہے کیوں (نہ) چاہے اپنے دیوانے کتیں)

(گو زخم سے دل کا نہ سیوے میرا میاں
میں مر گیا تو کیا ہوا، جیوے میرا میاں)

قفس سے رووں گے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اڑیں تو پر نہیں رکھتے، چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو اس دیوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

---

(۱) پیرس: حالیا

(۲) پیرس: کہ اکثر در اثنائے راہ مست لایعقل دیدہ شدہ

(۳) پیرس: ہندو بچہ

(۴) پیرس: او از قضا ... ے اکہی مرد

(۵) پیرس: ... ق عریان شدہ ... ش بخت یار کردہ بود۔

ہر گلی میں گر پڑیں ہیں مست ہو دیوار و در　　ابر رحمت برستا ہے یا برستی ہے شراب
آرام تو کہاں کہ ٹک ایک سو کے چپ رہیں　　آنسو بھی نہیں رہے کہ بھلا رو کے چپ رہیں

قائم

محمد قائم متخلص بقائم - جوانے (خوبے) است، خیرہ وطیرہ، حسن پرست، نوکر پیشہ۔

مدتے داخل جرگۂ میاں خواجہ میر صاحب ماند۔ اکنوں با مرزا (محمد) رفیع (سودا) محشور است۔ بافقیر نیز آشنا است۔ (سخن او خالی از کیفیت نیست، خدا سلامت دارد) ازوست :

دریا ہی پھر تو نام ہے ہر اک حباب کا　　اُٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
کیوں چھوڑتے ہو دُرد تہہ جام مے کشو　　ذرہ ہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا
درد دل کچھ کہا نہیں جاتا　　آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
جا ہے ماتم کو نت مرے دل میں　　اس نگر سے دہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم　　کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
(بلبلاں کا اگر جو درد سُنے　　باغباں پھر چمن کے گُل نہ چُنے)
جس کا عاشق پتنگ سا جل جائے　　شمع کیوں کر کہو کہ سر نہ دُھنے)
یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا　　پر دیکھیو لینا نہ کہیو نام کسی کا
الٰہی واقعی اتنا ہی بد ہے فسق و فجور　　پر اس مزہ کو سمجھتا جو تو بشر ہوتا
بنا دے کوئی عمارت سو کس توقع پر　　پڑا ہے قصر فریدوں بن آدمی سونا
نیک و بد جو تجھے کرنا ہے سو کرے قائم　　پھر اُمید نہیں ہے کہ جواں ہووے گا
کو نوحہ گر کو خاک پہ میری ہو گرم شور　　تھا اک چراغ گور سو وہ بھی خموش تھا

(۱) پیرس : قائم تخلص۔

ہم سے بے بال و پر اب جائیں کدھر اے صیاد
کاش تیں ذبح کیا ہوتا کہ آزاد کیا

یک بگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا ہے — سنجگر خوابندہ بہت مجکو طرحدار بہت
بھلا اے ابر مژگاں اب تو بس کر — ابھی تو گل کھلا گیا تھا تو برس کر
بہار عمر ہے قائم کوئی دن — اسے جوں گل پیالے کاٹ ہنس کر
دامن نہ کھینچ خاک سے میری اے شعلہ خو — پر بے قرار ہے ہوس سوختن ہنوز
اے محنت آزمائے عاشق — تب خوش ہو کہ مر ہی جائے عاشق

ہمارے درد دل کے تئیں لے کب بیدرد پوچھیں ہیں
ہم اپنے جیو سے عاجز ہیں انھوں کو عیش سوجھیں ہیں

روکے ہے کون تیغ مری عشق میں کہا — بولا ادھر سے داغ جگر لے سپر کہ ہم

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی جو روئے تھے خوں جم رہا ہے آنکھوں میں
موافقت کی بہت شہریوں سے ہیں لیکن
وہی غزال ابھی رم رہا ہے آنکھوں میں
وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

صحرا پہ گر جلوں مجھے لاوے عتاب میں — کھینچوں ہر ایک خار کو پائے جراب میں
آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں — غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں
کھلتی ہے چشم دید کو تیری پہ جوں حباب — اپنے تئیں بن آپ نہ آیا نظر کہیں
(رہنے دو میری نعش کو پھوجائے تا غبار — لے جائے گی اڑا کے نسیم سحر کہیں)
اے دل برنگ غنچہ نہ گل گلرخوں سے تو — اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

دل تو کہے سنے سے سمجھتا بھی ہے کوئی
جو کچھ کہو سو دیدۂ خانہ خراب کو

میں رہ گزر میں پڑا ہوں برنگ نقشِ قدم
تج چھوڑ اکس کے بھروسے پہ کارواں مجھکو

قطعہ

یار دکیوں بکتے ہو بے فائدہ جاؤ
اتنی کہتے ہو مجھے اتنی اسے سمجھاؤ
وہ نہیں تو کہ تجھے غم ہو [illegible] کا
یا کوئی جیو نصیبوں بستی یا مر جاؤ
سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو

قطعہ

میں کہا خلق تمہاری جو مکر کہتے ہیں
تم بھی کچھ اس کا کہیں ذکر و بیاں سنتے ہو
ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہے یہ بات
ہوے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سنتے ہو
راہ پیڈے اسے رکھتا ہوں اگر گھیر کبھو
ہنس کے کہتا ہے مجھے کام ہے اب پھیر کبھو

جیو میں چھلیں تھیں جو کچھ سو تو گئیں یار کے ساتھ
سر پٹکنا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھ

میں دیوانہ ہوں صدا کا مجھے مت قید کرو
جیو نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

موقوف شغل گریہ مری چشم اگر کرے
اتنا رہے نہ آب کہ لب کوئی تر کرے
پہلے ہی سو جھتی تھی ہمیں اے شبِ فراق
یہ رات بے طرح ہے خدا ہی سحر کرے

تجھ سے لگی تھیں آنکھیں پھنسا مفت میں یہ دل
تقصیر تھی کسو کی گرفتار ہے کوئی

دہن کو تیرے پایا بات کہتے
ہماری جنر سی میں کیا سخن ہے
نہ لگا دل کر اس کی مژگاں سے
اپنے حق میں تو کانٹے مت بودے
اٹھاوے ستم یا جفا کیا کرے
بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے

میں جانتا ہوں کعبے سے اب دیر کو بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے
نہ مرنے دیتے ہم قائم کو لیکن خداوندی سے کچھ چارہ نہیں ہے
یارب کوئی اس چشم کا بیمار نہ ہووے دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہووے
یہ دل وہ جنس ہے کہ دیا گر کہیں اسے دھڑکا یہی رہا کہ نہ دے باز پس مجھے
مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے جو گزرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے

بھٹکا پھروں ہوں یہاں میں اکیلا ہر ایک سمت
اے ہمرہان پیش قدم تم کدھر گئے
جی تج چکا ہے جور فروشوں کے ہاتھ سے
دل دیکھنے کو لے کے ظالم مکر گئے
افغان و آہ کشتۂ بیداد کیا کرے جو قتل ہو چکا ہو سو فریاد کیا کرے

رباعی

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہل نعیم بے قدر کریں ہم کو جو دے کر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجئے سجدہ محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

دانا

فضل علی دانا تخلص۔ مردیست نوکر پیشہ، وارستہ، لطیفہ گو، شاگرد میاں مضمون۔ تلاش لفظ تازہ بسیاری کند۔ اصل او از شاہجہان آباد است

اتفاقاً در موسم ہولی تاریخ پانزدہم کہ مجلس (در) خانۂ فقیر مقرر است، واقع شد۔ میاں دانا نیز تشریف (آوردہ)[1] لیکن بہ لباس عجیبے، یک (نیم) تنے سیاہ بہ برکردہ کہ دامنش تا بزانو بود۔ چوں[2] رنگ ذات شریف درویش از حد زیادہ

---

(۱) انجمن : داشت

(۲) پیرس : رنگ شریفش سیاہ بود درویش نیز سیاہ۔ مرزا محمد رفیع سودا کہ سابق مذکور شان گذشت نشستہ بود مجرد دیدنش (گفتند) کہ یاران ہولی کا رنگ آیا۔

ہر دو سیاہ بود، مرزا رفیع کہ سابق گذشت، بمجرد مشاہدہ کردن او گفت کہ "یار دہولی کا بچہ آیا، کہ بزبان فارسی خرس ہولی می تواں گفت۔ چوں در ہندوستان رسم است کہ دراں روزہا (۱) (اکثر) اراجیف و اطفال (ہندو) وغیرہم خرس و بوزنہ و اسپ و شتر (وغیرہ) برائے خوشی (و بازی) ہم دیگر می سازند۔ ایں لطیفہ بسیار بموقع افتاد بلکہ صورت گرفت۔

القصہ دانا عجب کسے است۔ گاہ گاہ با فقیر نیز ملاقات می کند۔ از دست:

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا — یہی توحید میں مصرع سر دیوان ہے میرا
دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا — یوسف مصر گر تو ہی ہے ارے یار عزیز
نہ چاٹے خون کو جس روز میرے اس کے فاقہ ہے۔
رگِ گردن سے میری اس کے خنجر کو علاقہ ہے

انسان

اسد یار خاں انسان تخلص می کرد و شعر ریختہ نیز می گفت۔ در عصر محمد شاہ بادشاہ کہ اکنوں بہ فردوس آرام گاہ ملقب است، بہ امارت رسید۔ بسیار بکر و فرمعاش می کرد۔

از اکبر آباد بود۔ (۲) بسبب ناسازی روزگار، کہ باکس نمی سازد و نخواہد ساخت، (۳) زود فوت شد۔ از دست:

نہ دیکھی ایک جھلک بھی آپ کے تن بیچ اندھوں نیں
اگر چہ ہر بنِ مو سے بدن سارا شبکا ہے

(۱) پیرس : در ایام ہولی
(۲) پیرس : او باشندۂ اکبر آباد داشت
(۳) پیرس : درین ایام از سبب ناسازی روزگار خانہ نشیں شدہ، فوت شد، رحمۃ اللہ (علیہ)

زمیں اور آسماں اور مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انساں
نظر بھر دیکھ مشتِ خاک میں کیا کیا جھمکتا ہے

عارف

محمد عارف، عارف تخلص، متصل دہلی دروازہ می باشد، شاگرد میاں مضمون است۔ از بسکہ تلاش لفظ تازہ می کند۔ بعد از سالے و ماہے بیتے از دو موزوں می شود۔ شعرلو خالی از لطف نیست، با فقیر نیز آشنا است، از دست):

دخت رز کو کہہ کہ اس سے ملے ورنہ عارف افیم کھا وے گا

ہزاروں معنی باریک آویں دل میں اے عارف
اگر زلف سیہ کا پیچ اس کے منھ پر کھل جاوے

ہدایت

میاں ہدایت اللہ ہدایت تخلص[1] - از دہلی است - ریختہ را بطرز (نیکو) می گوید - از یاران (میاں) خواجہ میر صاحب است - اگرچہ او در ظاہر بعجز و انکسار پیش می آید اما کیست خامہ او (در عرصہ[2] سخن بال بستہ[3] راہ می رود - بندہ از وضع او بسیار محظوظم (حق سبحانہ تعالیٰ سلامت دارد) از دست:

شہید تیغ ابرو ہے اسیر دام گیسو ہے ہدایت بھی تو کوئی زور ہی شہدا شکستا ہے!
یاد آتی ہی زلف کی ہے قہر پھر گئی جیو پہ سانپ کی سی لہر
تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات روتے ہی گذری آہ ساری رات

---

(۱) پیرس: از باشندۂ شاہ جہان آباد دہلی است۔
(۲) انجمن: در عرصۂ میدان سخن
(۳) پیرس: نعال بستہ

حیرت میں ہوں کہ تیرے تئیں اے شب فراق
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

قطعہ بند

بھلا بتاؤ میری جان کچھ ہدایت میں — تمھارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا
مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو — کچھ اور بس نہ چلا ہوگا، رو دیا ہوگا

تجھ بن اے خونخوار یہاں ہر دم دم شمشیر ہے
سانس جب پلٹے ہے گویا بازگشتی تیر ہے

بیدار (۱)

میاں (۲) محمد علی بیدار۔ جوانے است بسیار مرد آدمی و خوش خلق۔ از شاہجہان آباد (است) شعر ریختہ بسیار صاف و شستہ می گوید۔ صاحب دیوان است۔ از یاران مرزا مرتضیٰ قلی بیگ فراق تخلص، کہ بسیار شاعر مربوط فارسی اند، ہست۔ اکثر در صحبتہا با فقیر بگرمی پیش می آید۔ الحاصل مرد خوب رنگیں مزاج است۔ خدا سلامت دارد۔

بارہا یار سے چاہا کہ ہوں اغیار جدا
لیکن اُس گل سے نہ یکدم ہوئے وہ خار جدا

---

(۱) بیدار کا ترجمہ میر حسن سے نقل کیا گیا ہے۔ اس نسخے میں بیدار کے چالیس شعر ہیں جبکہ انجمن میں صرف ایک شعر ملتا ہے۔ بیدار کے ترجمے میں بھی قدرے اضافہ ہے۔ انجمن میں اس کا ترجمہ ان الفاظ میں ہے:

"بیدار تخلص، جوانے است از یاران مرتضیٰ قلی بیگ فراق، بمصرع ریختہ درست موزوں می کند، و مرزا مرتضیٰ قلی شاعر مربوط فارسی است۔ اکثر در صحبتہا با فقیر بگرمی پیش می آید۔ از بیدار است

(۲) میر محمدی بیدار کا نام محمد علی بھی بتایا گیا ہے۔ دیکھیے عمدہ منتخبہ

تیرے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار
گل جدا، سرو جدا، نرگس بیمار جدا

رات کو بزم میں بے رخ درخشاں تیرے
شمع گریاں ہے جدا، دیدۂ بیدار جدا

جس چشم کو نہ ہو تیرا دیدار دیکھنا
پھر اس کو کیا جہان میں ہے اے یار دیکھنا

سر شک و داغ و غم و درد جاں ستاں دیکھا
تمہارے عشق میں کیا کیا نہ مہرباں دیکھا

نہ کوہکن نے وہ دیکھا کبھو نہ مجنوں نے
تمہارے عشق میں ہم نے جو اے میاں دیکھا

ہزاروں گرچہ ہیں بیمار تیری آنکھوں کے
پر اون میں کوئی بھلا مجھ سا ناتواں دیکھا

کل تیری یاد میں آنسو ہی نہ کچھ گلگوں تھا
پر مژہ پر مرے لخت جگر پُر خوں تھا

پاس ناموس حیا تھا کہ نہ روئے اے ابر
ورنہ آنکھوں میں ہمارے بھی بھرا جیحون تھا

رشک کھاتا ہے چمن دیکھ کے داماں میرا
کم نہیں ابر سے کچھ دیدۂ گریاں میرا

ایسے طالع مرے بیدار کہاں ہیں جو آج
اس شب تار میں آوے مہ تاباں میرا

مست ہم کو شراب میں رہنا
کچھ کہو سیر آب میں رہنا

یاد میں اوس کی زلف کے اے دل
کب تئیں پیچ و تاب میں رہنا

جو وہ خورشید طلعت شام کو ہو بام پر ظاہر
نہ ہووے صبح محشر تک خجالت سے قمر ظاہر

چھوٹے اب اوس شعلہ خو کا مجھ سے کیونکر اختلاط
چھوڑ کب سکتا ہے آتش سے خجالت اختلاط

آتش حسرت پہ ہو جاتے ہیں سخت دل کباب
اس لب میگوں سے جب کرتا ہے ساغر اختلاط

روشن مثال شمع ہزاروں ہیں غم کے داغ
تربت پہ دل جلوں کی نہیں حاجت چراغ

خاک عاشق ہے جو ہووے ہے نثار دامن
اے مری جاں تو مت جھاڑ غبارِ دامن

رشک کھاتا ہے جسے دیکھ کے بستان ارم
اشک بیدار نے کی ایسی بہارِ دامن

تجھ بن ہے بے قرار دل اے ماہ کیا کروں
کٹتی نہیں ہے ہجر کی شب آہ کیا کروں

نہ دل نہ دلربا نہ مرے جی کو ہے قرار
حیراں ہوں ایسے میں مرے اللہ کیا کروں

جلوہ گر شمع رخ یار کہاں ہے کہ نہیں
روشن اوس نور سے وہ کون مکاں ہے کہ نہیں

کیوں اُٹھایا ہے صبا نے ترے کوچے میں غبار
کیا وہاں آج کوئی اشک فشاں ہے کہ نہیں

دل کو میں آج ناصحا اوس کو دیا جو ہو سو ہو
راہ میں عشق کے قدم اب تو رکھا جو ہو سو ہو

صفا الماس گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو (۱)
کیا تجھ لب نے ہمرنگ خجالت لعل و مرجاں کو

دیکھ تجھ کاکل مشکیں کی ادائیں شانہ
ہاتھ اوٹھا کیوں نہ کرے تجکو دعائیں شانہ

اس کے بھر آئے ترے مرہم کاکل سے زخم
دونوں ہاتھوں ستی لیتا ہے بلائیں شانہ

چاہیئے مجھ دل صد چاک کو لے جائے ہاں
گریباں واسطے زلفوں کے منگائیں شانہ

حسرت گیسوئے مشکیں میں مرے جو بیدار
استخواں اوس کے کا لازم ہے بنائیں شانہ

ترے کیا ہاتھ آیا اس ستم سے باغباں سچ کہہ
اوجاڑ کیوں چمن سے بلبلوں کا آشیانہ سچ کہہ

نہیں معلوم ہوتا مجکو اس دشنام دینے سے
مزا آتا ہے کیا تجھکو ارے شیریں زباں سچ کہہ

---

(۱) انجمن میں صرف یہی ایک شعر ہے، باقی اشعار نسخۂ پیرس سے نقل کئے گئے ہیں۔

گریباں چاک کر اور پاؤں ننگے ہو کے دیوانا
تو ایسے حال سے بسدار جاتا ہے کہاں سچ کہہ

عاشقوں میں جو کوئی کشتۂ کاکل ہووے — اوس کی تربت پہ سدا سبزۂ سنبل ہووے
جس دن تم آ کے ہم سے ہم آغوش ہو گئے — شکوے جو دل میں تھے سو فراموش ہو گئے
سلام بھی ہے زمانے میں اور دعا بھی ہے — ہمارے یار نے قاصد سے کچھ کہا بھی ہے

زلف اوس رخ پہ صبا سے جو پریشاں ہو جائے
سحر و شام بہم دست و گریباں ہو جائے

زاہد اس راہ نہ آ مست ہے میخوار کئی — ابھی یہاں چھین لے جبہ و دستار کئی
ناتواں مجھ سے بھلا کون ہے انصاف تو کر — چشم فتاں کے ترے گرچہ ہیں بیمار کئی
نشہ میں جی چاہتا ہے بوسہ بازی کیجئے — اتنی رخصت دیدیجئے بندہ نوازی کیجئے
چاہیئے جو کچھ سو ہو پہلے ہی سجدے میں حضور — آپ کو گر کعبۂ دل کا نمازی کیجئے

رُباعی

خورشید سپہر دین رسول الثقلین — ہیں اون کے علیؓ و فاطمہؓ نور دو عین
مانند دو شمع جلوہ گر ہیں حسنینؓ — فانوس نبوت و ولایت کے بیچ

سلام

میاں نجم الدین علی سلام تخلص۔ مولد او (از دار الخلافہ) اکبرآباد است۔ خلف میاں شرف الدین علی خاں پیام کہ احوال او نگاشتہ شد۔ چوں یار باش و مخاطب صحیح حقیقت (و) جمعیت (ا) (و) لیاقت (و) شخصیت (و) آدمیت (و) حرمت (و) عظمت ہمہ دارد، فقیر را با او از تہ دل اخلاص است۔ چنانچہ اکثر

(ا) شورش و پیرس: حمیت

اوقات اتفاق باہم فکر شعر کردن و گپ زدن و مزاح[1] نمودن می افتد۔ جوانے خوبیست خدا زندہ دارد۔ ازوست:

صدیثِ زلف چشمِ یار سے پوچھ — درازی رات کی بیمار سے پوچھ
بے تابو! قسم ہے تمھیں میرے صبر کی — مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

بہار

لالہ ٹیک چند بہار تخلص۔ مرد (ے) مستعدیست۔ از یاران سراج الدین علی خاں (صاحب است) صاحب[2] تصانیف بسیار، دماغ تفصیل ندارم۔ برہمن رنگیں۔ بہار سخن از لفظ لفظش ہزار[3] ہزار رنگ معنی گل می کند۔ با فقیر ہم آشنا است۔ (خدا ہدایتش کند و اسلام نصیب ..[4])

وہی ایک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

(ایضاً[5])

مردم کشی کا زور بیماروں نے کب پایا
خلط کرتے ہیں ان آنکھوں کو جو بیمار کہتے ہیں)

---

(۱) پیرس : اختلاط نمودن

(۲) پیرس : تصانیف بسیار دارد

(۳) پیرس : ہزاراں ہزار

(۴) نسخے میں الفاظ واضح نہیں ہیں۔

(۵) یہ شعر پیرس کے حاشیے پر ہے۔

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلےٰ کا تیس　　یہ عجب مظہر ہے جس کے مبتلا ہیں مرد و زن

باعتقاد بندہ بجائے اشارت قریبہ و کلمۂ استعجاب کہ اول مصرع دوم بکار بردہ است اگر حسن کیا" می گفت، ایں شعر واضح تر می شد، فافہم ۱۔

سحر یا معجز ہے یہ سچ کیوں نہیں کہتا بہاؔ　　دم ترا جذبِ اصم سے زور کرنا ہے کرے

ہیں واعظ ڈرانا کیوں ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں کیا مغفرت کم ہے

سبھی کرتے ہیں دعوٰے خون کا قسمت ہے تو دیکھیں گے
صفِ محشر میں ہوگا کس کے دامن ہاتھ قاتل کا

ناز و استغنا، عتاب، اعراض سب جاں کاہ ہیں
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ دل کو ہو نشاط

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
ہیں ایسا خرابی کیا تج کو سُنا جاتی

محبت کی نظر وہیں جو جاوے گا تو دیکھے گا　　کوئی آرے تلے چیرا کسی کو کوہ پر پٹکا

نثار

میر عبدالرسول نثار ۔ از یاران فقیر مؤلف است ۔ چنانچہ (شعر)(۱) مشورت من(۲) می گوید ۔ سید نجیب، جوان سعادت مند، اصلش (از) اکبرآباد است ۔ در عصر (پادشاہ ۔ ع) فرخ سیر بادشاہ کہ ہنگامہ (با) نیکو سیر در اکبرآباد گرم شدہ بود، بزرگان ایں با اقتدار بسر می بردند ۔ (مرد) بسیار آراستہ پیراستہ، سنجیدہ فہمیدہ (است) فقیر از وضع او بسیار محظوظ(۳) است ۔ از دست :

---

(۱) شروانی میں یہ لفظ موجود ہے
(۲) پیرس : فقیر
(۳) پیرس : خوش

جو ہے یعقوب یوسف دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اتنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے
ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہے ڈھنگ تجھ بن
منہ سے اُڑا ہے گُل کے گلشن میں رنگ تجھ بن
ہر سمت صد تمنا تڑپھیں ہیں خاک و خوں میں
ہے صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھ بن
یہاں گُل رکھے پھرے ہے دستار پر تو اپنی
وہاں عاشقوں کے سر پہ پڑتے ہیں سنگ تجھ بن
اکثر ہیں دلفگار ولیکن نہ اس قدر کتنے ہیں بے قرار ولیکن نہ اس قدر
میں وہ ہوں جس کے رشک سے گُل نے کیا سحر
ٹکڑے جگر ہزار ولیکن نہ اس قدر
ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کے نکل جاویں گے ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم
یہ عزم کس مریض پہ یہ خشم کس پہ شوخ اک میں ہوں مضطرب سو تو نبض طپیدہ ہوں
قاصد یہ مقتضا نہیں غیرت کا خط لئے مشتاق پرفشانی رنگ پریدہ ہوں
طوفان خلق ہووے گا اشک ستم زدہ ایسا نہ ہووے یار کہ میں آب دیدہ ہوں

میر حسن

میر حسن متخلص بہ حسن۔ جوان اہلیست۔ نوکر پیشہ، اکثر در بندہ خانہ بتقریب مجلس تشریف می آرد، وضع مرد آدمیانہ دارد۔ مشق شعر از مرزا رفیع (سودا) می کند۔ از دست:

لگتا ہے آج مجکو یہ سارا جہاں خراب　　شاید کہ رہ گیا ہے کوئی خانماں خراب
قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہے چھوڑ دو　　خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑیو

زکی

جعفر علی خاں زکی۔ مرد عمدۂ روزگار بیست۔ متوطن (شاہجہان آباد) دہلی (است)

بادشاہ محمد شاہ برادر فرمائش مثنوی حقہ کردہ بود۔ دوسہ (۱) شعر موزوں کرد، (۲) دیگر سر انجام از و نیافت۔ اکنوں شیخ محمد حاتم کہ نوشتہ آمد، باہتمام رسانید و آں (۳) مثنوی خالی از مزہ نیست۔

پنج چار سال پیش ازیں، خانہ جعفر علی خاں مجمع یاراں ریختہ مقرر بود۔ خدا داند چہ واقع شد کہ برہم خورد۔

(۴) (و جعفر علی خاں) شعر ریختہ را جستہ جستہ (بسیار رنگین و مربوط) می گوید۔ آنچہ از و اشعار شنیدہ شدہ، نوشتہ شدہ۔ از دست

چمکتے دانت دیکھے یار کے رنگیں جمانے میں
جڑی ہیں گیتیاں الماس کی نیلم کے خانے میں

از مثنوی اوست در منقبت گفتہ

(مدح)

قضا کے راج کی صنعت گری دیکھ　　نبیؐ کے آل کی بارہ دری دیکھ
نبی کے آل پر مجھ وار جانا　　اسی بارہ پلے سے پار جانا

---

(۱) پرس : چند
(۲) پرس و شورش : کردہ بود۔
(۳) پرس : مذکور او گذشت
(۴) پرس : چندے از و نوشتہ می آید:

در تعریف عشق و آبلہ می گوید :

برہ کی راہ کے گوہر پھپھولے کہ کانٹے باٹ میں جاتے ہیں تولے

تمکین

(۱) میاں صلاح الدین تمکین تخلص۔ جوان رنگین مزاج، شوخ طبع با تمکین است۔ درویش وضع، بکسے کار ندارد۔ بہر طور کہ می گذرد، بسر می برد۔ از وست :

(تمکین)

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا مجھکو دیوانہ کیا، تجکو پری زاد کیا

(جو اب نہ مریئے تو پھر انتظار میں مریئے خدا خزاں نہ دیکھاوے بہار میں مریئے) (۲)

(تمام عمر شرابیں پیا کئے ساقی ہزار حیف کہ آخر خمار میں مریئے)

جگّن

میاں جگّن خالہ زادۂ شیر افگن خاں حال است۔ دعوی شاگردی فقیر می کند۔ بارے سر بہ سخن دارد، خدائش زندہ دارد :

اس دل مریض عشق کو آزار ہی بھلا چنگا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہی بھلا

غریب

(۳) محمد امان اللہ غریب تخلص کہ یادش بخیر (باد) یک (۴) آشنائے بامزہ داشتم بسیار خوش ظاہر بود۔

(۱) تمکین کا ترجمہ پیرس سے نقل کیا گیا ہے۔ انجمن میں ترجمہ اس طرح ہے :- جوانے بے تمکینے نہ تمکین باصطلاح یاراں شوخ طبع مردیست۔ درویش وضع بکسے کار ندارد۔ بہر طور کہ باشد بسر می برد۔

(۲) آخری دو شعر پیرس کے حاشیے پر ہیں۔

(۳) پیرس : محمد زمان

(۴) پیرس : آشنائے بامزہ بود

زبانش لکنت داشت، ازیں سبب گاہے الکن ہم تخلص می آورد[۱]۔ چوں اکثر (ے) درباغات مغل پورہ می رفت، بندہ اورا (رند[۲] باغاتی) می گفتم۔

بسبب پریشانی روزگار قریب دو (سہ) سال است کہ بسمت بنگالہ رفت[۳]

تیری بغل ہی میں دل پر داغ ہے غریب　　حسرت چمن کی کاہے کو یہ باغ ہے غریب

محسن

محمد محسن، سلمہ اللہ[۴]، محسن تخلص می کند۔ برادر زادۂ فقیر مؤلف است۔ نوشتہ اش بسیار مناسب و سلیقہ اش خیلے درست معلوم می شود۔ مصرع ریختہ بہ مشورت من[۶] موزوں می کند[۷]۔ سنش نام خدا تا پست سالگی رسیدہ باشد۔ خوب خواہد گفت[۸]، ان شاء اللہ۔ ازوست :-

یوسف مصر پہنچتا ہے کوئی　　تجھ سے دلبر عزیز دلوا کر

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ　　زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کا

دور[۹] سے گئے وہ کوہکن و قیس کے جو تھے　　میرے جنوں کا اب تو زمانہ میں شور ہے

محسن تمام عمر مجھے روتے ہی کٹی　　اس غم کدے میں آہ کہیں بھی سرور ہے

مرا رنگِ رو اس قدر زرد ہے　　کہ یہاں زعفراں زار بھی گرد ہے

---

(۱) پیرس : می کرد
(۲) انجمن : ارند باغاتی
(۳) پیرس : رفتہ است
(۴) پیرس : حفظہ اللہ من آفات
(۵) پیرس : بسیار درست است
(۶) پیرس : فقیر
(۷) پیرس : سنش کیست سال داشتہ باشد
(۸) پیرس : ان شاء اللہ آئندہ خوب خواہد شد۔
(۹) نسخۂ پیرس میں "دورے" کا مفہوم "زمانہ" درج کیا گیا ہے۔

طپش تشنہ لب تڑپے ہے غالبؔ
دھڑا کے کا دل میں مرے درد ہے

اگر شیخ دوزخ میں گرمی ہے زور
مرے پاس بھی اک دم سرد ہے

بتوں کا عاشقی میں یہاں کال ہوگیا ہے
اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہوگیا ہے

تک راہ پر تو آؤ اب سیر کو کہ محسنؔ
مانند نقش پا کے پامال ہوگیا ہے

تعزیت دار حسرت دل ہے
یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہے

دل پر آبلہ مرا محسنؔ
رشک آئینۂ جاپانی ہے

اس کے کوچہ میں ہے کچھ نالۂ شب کا چرچا
دیکھیو کوئی یہاں میرا تو مذکور نہیں

طبع نازک کو مرے ہاتھ میں رکھیو کہ میں
قیس و فرہاد سا و ہمقافی و مزدور نہیں

تنک ابرو ملی عاشق اُلٹ گئے
تجھے تلوار سے اے شوخ جس ہے

کیا جانیے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں
ہم کو تو تن بدن کی بھی اپنے خبر نہیں

اس دشت پرخطر کا میں باشندہ ہوں جہاں
آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گزر نہیں

دل دینے پر ہو جیو تو کرو خانماں خراب
یہ عاشقی ہے شیخ جیو، خالا کا گھر نہیں

مرگیا پوچھی نہ پر تم نے مری زحمت دل
جیو کی جیو ہی میں رہی ہائے مری حسرت دل

مجھ تہیدست کے کیا تھا کوئی دن آگے
داغ پیسے ہے جو ہاتھوں پہ ہیں مہندی دل

کیا حساب اتنی جفاؤں کا جو میں کھینچوں ہوں
میں گرفتار بلا میں جو ہوا بابت دل

(قطعہ)

اے دیدہ خاندان تو اپنا ڈبو چکا
اب رو تا تو ہے کیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا

محسنؔ نہ روؤں میں تو بھلا کہہ کے کیا کروں
اک دل بساط میں تھا میں اس کو بھی کھو چکا

دل مرا وابستۂ زنجیر زلف یار ہے
ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہے

اور یہ عاجز تمہارا کچھ نہیں رکھتا مگر
جاں برلب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے

تک آکے دیکھ نہیں کچھ بھی حال آنکھوں میں پھرے ہے اس پہ بھی تیرا خیال آنکھوں میں
نہ پوچھ دخترِ رز کی تو مجھ سے کیفیت لئے ہی جاتی ہے دل پہ چھنال آنکھوں میں
جاں بلب ہوں میں نکل جائے نہ یہ جان کہیں
دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے آ، مان کہیں
کب تلک نزع کی حالت میں رہوں میں تجھ بن
ہو بھی اے مردنِ دشوار اب آسان کہیں
جس دن تری گلی سے ہیں عزم سفر کیا ہر ایک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا
بت خانے کی شکست و درستی کعبہ ہائے یہ سب کیا پہ شیخ نہیں دل میں نہ گھر کیا

رباعی

جب تخم محبت ہم نے دل میں بویا دین و دنیا سے ہاتھ اپنا دھویا
اس عشق میں ہوئے خانہ ویراں یارب دونوں عالم سے ان نے ہم کو کھویا

ضیا

میاں ضیاء الدین ضیا تخلص، متوطن دہلی (است) جوانے است، مؤدب و مہذب، متواضع با فقیر ربطے بسیار دارد۔ (خدایش نگاہ دارد)
از وست :-

جنت کا مت دو مژدہ مجھ خاک میں رلے کو
آرام وہاں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو
گریاں و خاک اڑاتا جوں ابر، جوں بگولا
صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا

راقم

بندرابن، راقم تخلص۔ از شاہجہان آباد است۔ مشق شعر از مرزا رفیع می کند۔ قبل ازیں با فقیر نیز مشورت شعر می کرد۔ بایندہ بسبب میاں ابراہیم کہ جوانے است مربوط و مضبوط، آشنا شدہ بود۔ و میاں ابراہیم از بسکہ با شاعران آشنا است گوئی(۱) کہ ہم سلیقہ ہست۔ راقم مرقوم و محمد قائم کہ احوالش گذشت، ہر دو ہم طرح (۲) (۳) (اند) از راقم است:۔

(راقم)

یہاں تک قبول خاطر کیجیے تری جفا کو
تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

(۴)
ایں معنی را در دیوان میر عبدالحی تاباں مرحوم، بہ تغییر ردیف بہ ہمیں الفاظ، مطالعہ کردہ ام۔ ظن غالب آنست کہ ایں شعر از تاباں مذکور است، چرا کہ او از مدت مشق سخن می کرد و ایں نو مشق است، اللہ اعلم۔

دل کنج قفس میں کر فریاد بہت رویا — ہنسنے کے تئیں گل کے کریا دبہت رویا
میرے اعضا میں تجھ کمر سے میاں — فرق ہرگز نہیں سر مو کا
ابر ترسے چشم گریاں کم نہیں — موج دریا ہے شکنج آستیں

قطعہ

مژگاں سے دل بچے تو ٹکڑے کرے ہے ابرو — یہ کہہ کے میں نیں اس سے جب دل کی داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہو سنہ نالی — تلوار پھر نہ کھینچے تو کب کرے سپاہی

---

(۱) پیرس: گویا کہ او غاؤن است۔
(۲) پیرس: احوال او
(۳) پیرس: از دست۔
(۴) یہ عبارت پیرس میں نہیں ہے۔

قطعہ

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض
مجکو قسم ہے چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں
اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب
آپس میں درد دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

کس کے گلے کے قطرۂ خوں ہیں تہہ زمیں — جوں تکمہ اُگتے ہیں گل اورنگ اب تلک
پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب — یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے
دیکھا نہ ہو جسے میں کوئی سرزمیں نہیں — پر تخم دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں
سنتے تھے ہم جہاں میں اہل کرم کا ہاتھ — آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں
مری بدشرابیوں سے کریں توبہ گساراں — زہے وہ مے کہ ہووے سبب نجات یاراں
سُنا کن نے حال میرا کہ جواب وہ نہ رویا — رکھے ہے مگر یہ قصہ اثر دعائے باراں
بیچوں ہوں میں اس پاس یہ دل نیم نگہ کو — اس پر بھی ستم ہے جو خریدار نہ ہووے

اے عشق مجھے کوئی طرح مار — تا یار کہے کہ ہائے عاشق
کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں — کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں
کہتا تھا کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ — اس بات کا تو یہاں کہیں مذکور ہی نہیں
سُنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے جگ میں دوام صبح
ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

معصیت میری بہت ہے کہ تیری بخشش بیش
اپنی رحمت پہ نظر کر مرے عصیاں کو نہ دیکھ
صیاد کب تو چھوڑے گا مجکو قفس سے آہ
کھٹکے ہے میرے دل میں بہت خار خار باغ

رونے میں اس قدر تو جگر اے جگر نہ کر
دیکھا نہ تو نے پھر کہ دل دیدہ کیا ہوئے

نامہ کا میرے اس سے لے کر جواب پھرنا
پروا سطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا

ایک وے بھی دن تھے یارب جو تھا ہمیں میسر
گلشن میں ساتھ اس کے پینے شراب پھرنا

کہے کیا درد دل بلبل گلوں سے اُڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر
جو چاہے گوہر مقصود اے دل صدف کی طرح تو پاس نفس کر

کمترین

میاں کمترین (سلمہٗ) مردیست وارستہ۔ مزاجش میلان ہزل بسیار دارد۔ موافق استعداد خود (سخن) می گوید۔ بندہ شعر معقول او نہ شنیدہ ام (مرد خوب است)

گاہ گاہ در مجلس مرافتہ کہ ایں لفظ بوزن مشاعرہ تراشیدہ اند، ملاقات می شود، از شہر آشوب اوست :-

نو خصم گن کر مشلچن نیں کیے تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن دیے
بلا اس مست نغرانی کو تاڑی اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

(ایہام)

یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈوں سے ذاتوں میں
تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں

(ایہام)

دیکھو پکوان والی کی مزاحیں
خصم کے روبرو دیتی ہے شاحیں

(ایہام)

تم (پادشہ)[۱] پسند ہو ہم کمترین تمہارے
کے بیر ہم کو دوگے نازک بدن پیارے

(کمارن)[۲] ایک گھڑی بھر چاہیں جو اس طرف آوے
میرا دل اوس کا چاک ہوجاوے)

قدر

قدر تخلص، شخصے است وارستہ از قید مذہب و ملت برجستہ۔ اوباش وضع،[۳] زبان او بزبان لوطیاں می ماند۔ گاہے در کوچہ و بازار شہر بہ نظر می آید۔ احوالِ او[۴] کماحقہ معلوم فقیر نیست۔ از وست:

آئے ہو آج تو رہ جاؤ سجن رات کی رات
لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

کافر

میر[۵] علی نقی، مرد سید است۔ سپاہی پیشہ، کافر تخلص می کند۔ در شعرے کہ تخلص می آرد۔ کافر ٹپکہ می نامد۔ چنانچہ اکثر در مجلس گفتہ می خواند کہ صاحب در ایام

---

(۱) انجمن : بادشاہ

(۲) یہ شعر پیرس کے حاشیے پر ہے۔

(۳) پیرس : زبان گویائی دارد

(۴) پیرس : احوالش

(۵) پیرس میں کافر کا ترجمہ صرف ان الفاظ میں ہے : میر علی نقی، کافر تخلص، مرد سید است، سپاہی [illegible] اشانہ دارد۔

یک کافر ٹپکہ، موزوں شدہ است۔

در ایام گذشتہ دو سہ ماہ خانہ، خود مجلس ریختہ مقرر کردہ بود، آخر از وضع او باشارہ او برہم خورد۔

در بزرگ زادگی او شبہ نیست، با فقیر ربطے دلی دارد۔ از وست:

کس کس طرح بتوں کی صورت نہیں رنگ پکڑے
کافر ان انکھڑیوں نہیں دیکھے ہیں جھمکڑے

(مستی لگا کہ لال کیا مونہہ کو کوسیں[1]
ظالم نے قتل عام کیا کافر آں سیں[2])

عاجز

عاجز تخلص۔ شیخے لوطی است۔ پرو پوچے چندے یافتہ، نظر کردۂ میاں کتر ہیں۔ اکثر در مشاعرۂ حافظ حلیم کہ مردیست بسیار گرم جوش و چسپاں اختلاط۔ حافظ اکثر شعرائے خوب استادان دیدہ و شنیدہ است۔ و حافظ حلیم شعر بطور بواسحق اطعمہ می گوید گاہے مصرعے خوب ہم از دستم می زند۔ چنانچہ مصرع حضرت حافظ قدس سرہ العزیز، را تضمین کردہ است بطرزیکہ خود می گوید۔

صبا بلطف بگو آں بخیل بارا
کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ مارا

---

(۱) یہ شعر پیرس کے حاشیے پر ہے۔

(۲) اس شعر کے بعد پیرس میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:۔

فرد فارسی از کافر قوم است
چرا بہ آتش سوزاں نہ سوختند مرا
بدست ہیچ تو کافر فروختند مرا

و با عاجز ایں عاجز ترین خلائق چنداں ربطے نہ دارد۔ از وست :

دل بغل مارے لئے جاتے ہیں یہ کتب کے طفل
شیخ سعدی تم بھی اب لے کر گلستاں دوڑ یو[1]

میر گھاسی

میر گھاسی[2] جوانے است فہمیدہ، در مغل پورہ می باشد۔ تخلص ازراہ اظہار قصور فہم در غزل نمی آرد، با من ہم آشناست، از وست :

تو ہوا اور باغ ہو اور زمزمہ کریا بلبل
تیری آواز سے جیتا ہوں نہ مرا بلبل

عُشاق

عشاق شخصے است کھتری، شعر ریختہ را بسیار نامربوط می گوید سلیقہ اش از تخلص پیداست۔ اکنوں در مجمع یاراں ہم نمی آید کہ مردہ است ایامے کہ خانہ میاں صاحب خواجہ میر مجلس ریختہ می شد، بنظر می آمد و رتبہ داری ایں شعر کہ نوشتہ می شود از فیض سخن است۔ از وست[3] :

خط سے زیادہ اور ہوا حُسنِ یار کا
آخر خزاں نہیں کچھ نہ اُکھاڑا بہار کا

---

(۱) نسخۂ پیرس میں عاجز کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :
"عاجز تخلص شخصیت از قوم کھتری، طبع موزونے دارد از وست : عاجز
خط سے زیادہ اور ہوا حسن یار کا
آخر خزاں نہیں کچھ نہ اوکھاڑا بہار کا
یہی شعر نسخۂ انجمن میں عشاق کے ترجمے میں نقل ہوا ہے۔

(۲) میر گھاسی کا ذکر نسخۂ پیرس میں نہیں ہے۔

میر (سوز)[۱]

محمد میر، میر تخلص، جوانے است بسیار اہل[۲] (و) خوش طبع، ہر چند طرز علیحدہ دارد لیکن از خوش کردن تخلص من[۳] نصف دلم از و خوش است۔ از وست:

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محبوب[۴] ہوا
اپنے چہرے سے بھاگتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

بسمل

بسمل[۶] تخلص۔ پیش از نوشتن این مزخرفات آوازۂ او شنیدہ بودم، باز معلوم نہ شد کہ کجاے بود و کجا رفت۔ از وست[۷]:

لہو پی کے رہ گیا بسمل و گرنہ — ملاتا اپنے تئیں وہ خاک و خوں میں
عشق نے خانۂ ویران دل آباد کیا — غم نے اس خاطر محزوں کو مرے شاد کیا
کوئی گھر زخم کا خالی نہ رہا پیکاں سے — ملک دل خوب ترے ظلم نے آباد کیا
ہائے اس دیوانۂ دل نے کام کیا بیجا کیا — آپ تو بدنام تھا ہی مجھ کو بھی رسوا کیا
گریہی ہے دلبری تو خیر مرنا دور نہیں — دل کہاں تم کو دیا دشمن گویا پیدا کیا
جن ترے لب کو لعل خام کیا — مے کو برجا ہے گر حرام کیا

---

(۱) اضافۂ مرتب
(۲) پرس : خوب
(۳) پرس : آں
(۴) پرس : فقیر مؤلف
(۵) پرس : محجوب
(۶) پرس میں بسمل کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:
"میاں بسمل، شاعر ریختہ بنای است از ہست و بود او کما حقہ واقف نیستم"
(۷) انجمن میں بسمل کا صرف ایک شعر ملتا ہے جب کہ پرس میں ان کے اشعار کی تعداد ۱۷ ہے۔

بندہ دل کا ہوں اپنے نام خدا　　سنگ دل بت کو خوب رام کیا
اپنے لختِ جگر کو بسمل نے　　سجدۂ اشک کا امام کیا

کیا ہے عرس شاید مر گیا ہے کوئی دیوانا　　کہ ہے چشمِ غزالاں سے چراغاں آج ویرانا
محبت میں نہ اتنا چاہیے کم ظرف ہو کوئی　　ذرا سی گرم روئی دیکھ جل جانا ہے پروانا
دل مجروح ہے ازبسکہ زخمی لذتِ غم کا　　لہو اترا ہے چشمِ داغ میں سن نام مرہم کا

کشاکش زلف کی یہ کچھ ہے اور خط کا غبار ایسا
نہ ہو یارب کسو کا دل پریشاں روزگار ایسا

شکوۂ عشق اور شانِ جنوں کا رعب ہے بسمل
وگرنہ پاؤں پر رکھتا تھا کس کے سر کو خار ایسا

میں جنوں کا نہ اگر سلسلۂ جنباں ہوتا　　شک نہیں خانۂ زنجیر تو ویراں ہوتا
تب بجا ہوتا ملامت مجھے کرنا ناصح　　ہاتھ میرے میں اگر تیرا گریباں ہوتا
اے شوخ جس خدا نے تجھے خوب رُو کیا　　کچھ مصلحت تو ہوئے گی جو زشت خو کیا

جو نہ دی اے اشک نے آج اس دلِ پرخوں کی داد
پھر ملے گی حشر کو کیا خاطرِ محزوں کی داد

تضمین یقین

حال سے بسمل کے غافل ہے جو کہتا ہے یقیں
پھر کسو نے بعد مجنوں کے نہ دی ہاموں کی داد

لگتا نہیں نہ دشت نہ گلشن میں ان دنوں　　لے جاوے ایسے دل کو کوئی اے خدا کدھر
بسمل جنوں میں آج ترے سر پہ کوئی نہیں　　وہ عقل و ہوش تھے جو بڑے آشنا کدھر
زلف تیرے کے نہ تھی جو کبھی نمودار ہنوز　　تب سے ہوں دامِ محبت میں گرفتار ہنوز
کر چکا مجھکو تو بسمل نہ خدا جانے کہو،　　ہستہ (؟) ہستہ (؟)

(۱)

شاغل

شاغل تخلص، جوانے بود (گاہ)(۱) گاہے مصرعے موزوں می کرد۔ شاگرد بسمل مسطور (بودہ است)(۲) پیش بندہ ہم دو سہ مرتبہ آمدہ، اکنوں بنظر می آید۔ از دست:

جانی نہیں ہے اس سے تری فکر زلف و رُخ
شاغل کو روز و شب ہے تیرا ذکر زلف و رُخ

بیرنگ

دلاور خاں۔ پیش ازیں ہمرنگ تخلص می کرد۔ حالا بیرنگ۔ (دبیرنگ) خوش کردۂ میاں یکرنگ است۔ مصرعے(۳) درست موزوں می کند از دست:

یار کا جب خیال آتا ہے — ہوش میرا تمام جاتا ہے
دل کوں تجھ عشق سے قرار نہیں — اب تلک تجکو اعتبار نہیں
نہیں مطلب مجھے کچھ باغباں اور — دیوانہ ہوں میں گل کے رنگ و بو کا
سدا بیدار رہ غفلت سے ہو ترش — مثل مشہور ہے سو یا سو چوکا
ہے ہاتھ ترا خون سے عاشق کے گر آلودہ — مہندی سے سجن مت کر یارو گر آلودہ
مفلس کی خبر کب ہے اے سیم بدن تجکو — افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہے زر آلودہ
فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی — شیریں کا جو ایک بوسہ ملتا شکر آلودہ
خط میرا اوس نگار نے نہ پڑھا — کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
میں تو لکھتا تھا اس کو خط بیرنگ — اس تغافل شعار نے نہ پڑھا

---

(۱) انجمن : بلکہ
(۲) انجمن : می گفت

قدرت

قدرت اللہ، قدرت تخلص۔ اگرچہ عاجز سخن است لیکن برائے خاطر میر (محمد) عارف کہ از یاران درست فقیر است، نوشتہ شد۔ (از قدرت است)[1]:

قاصد شتاب جا کے خبر لا تو یار کی
حالت پٹھ بری ہے دل بے قرار کی

یکدل

میر عزت اللہ یکدل۔ مردے سیدے بود، عاشق سخن۔ اکثر (مدح و) منقبت می گفت۔ در زمان محمد شاہ بادشاہ بنظر می آمد (و حالا معلوم نیست کہ کجا رفتہ) ایں ہم از زبان میر عارف بہ تحقیق رسیدہ (کہ) از وست:

(مخمس مدح)

نو گل باغ اِنَّمَا کی قسم — سرو گلزار ھَلْ اَتٰی کی قسم
میر میدان لَافَتًا کی قسم — میں تو عاشق ہوں مرتضیٰ کی قسم
دل فدا ہے مجھے خدا کی قسم[2]
شاعروں میں نہ میں خیالی ہوں — والہ و مست ہوں ولا کی قسم

میر

فقیر حقیر میر محمد تقی میر مؤلف ایں نسخہ۔ متوطن اکبر آباد است۔ بہ سبب گردش لیل و نہار از چندے در شاہ جہان آباد است (چندے از خود نوشتہ می آید)

---

(۱) پیرس میں عبارت اس طرح ہے:
کہ از یاران یکرنگ فقیر است و باعث شدہ تو یسانیدہ است۔

(۲) پیرس میں اس مصرع کے بعد "الا (الیٰ) آخرہ" بھی ہے۔

(میر مؤلف)

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخچیر کا
جس کے ہر نکڑے میں ہو پیوستہ پیکاں تیر کا

جو تیرے کوچہ میں آیا پھر نہیں کاڑھا اُسے
تشنۂ خوں میں تو ہوں اس خاک دامن گیر کا

کس طرح سے مانیے یاراں کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اُڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

شب درد و غم سے عرصہ میرے جیو پہ تنگ تھا
آیا شبِ فراق تھی یا روز جنگ تھا

مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

عید آئندہ تک رہے گا گلا
ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

آنکھوں میں جیو میرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا

ہونا نہ چار چشم دل اس ظلم پیشہ سے
ہو شیار، زینہار، خبردار دیکھنا

تجھ سے ہر آن میرے پاس کا آنا ہی گیا
کیا گلا کیجے غرض اب وہ زمانہ ہی گیا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گذری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانا ہی گیا

بھری تھی آگ تیرے درد دل میں میر ایسی تو
کہ کہتے ہی سخن کے روبرو قاصد کا منہ آیا

کفِ جاناں سے ممکن نہیں رہائی میر کوئی ہووے
اپنجھا ہے جو اس کے ہاتھ سے رنگِ حنا چھوٹا

اب وہ جگر طپش سے تڑپھتا ہے تشنہ لب — مدت تلک جو میر کا لوہو پیا کیا
دل میں پھر از بسکہ خیال شراب تھا — مانند آئینہ کے مرے گھر میں آب تھا
نک دیکھ آنکھیں کھول کے اس دم کی حسرتیں
جس دم یہ سوجھے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا
جو اے قاصد وہ پوچھے میر بھی ادھر کو چلتا تھا
تو کہیو جب چلا ہوں میں تب اس کا جیو نکلتا تھا
نہ گئی تسبیح اس کی نزع میں بھی میر سے ہرگز
اسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا
مغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہووے گا
مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے روووے گا
اب تو جاتا ہی ہے کعبہ کو بت خانے سے — جلد پھر یوں تجھے اے میر خدا کو سونپا
ترے عشق سے آگے سودا ہوا تھا — پر اتنا میں ظالم نہ رسوا ہوا تھا
خزاں الفت اس پہ نہ کرنی بجا تھی — یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا
کہاں آتے میسر مجھکو تجھ سے خودنما اتنے — بحسن اتفاق آئینہ تیرے روبرو ٹوٹا
عداوت تھی چمن میں سرو کو یہ اشکِ قمری سے — ادھر آنکھیں مندی اسکی کہ ادھر آب جو ٹوٹا
شبِ زخمِ سینہ اوپر چھڑکا تھا میں نمک کر — ناسور تو کہاں تھا، ظالم بڑا مزا تھا
آنکھیں کھلیں جب جیو میر کا گیا تب — دیکھے سے تجھ کو ورنہ میرا بھی جیو چلا تھا
ہم نے کہا تھا تیرے تئیں آدمی سمجھ نہ ظلم کر — آخر کار بے وفا جیو ہی گیا نہ میر کا
قابو خزاں سے ضعف کا گلشن میں بن گیا — دوشِ ہوا پہ رنگِ گل و یاسمن گیا
برگشتہ بخت دیکھ کے قاصد سفر میں ہے — پہنچا تھا اس کے پاس سو میرے وطن گیا
مر گیا تیرہ سنگسار کیا — نخل ماتم مرا یہ پھل لایا

دیر و حرم میں کیونکے قدم رکھ سکوں میں میرؔ
مجھ سے ادھر تو بت پھرے اور ادھر خدا پھرا

جب کہ تابوت مرا جائے شہادت سے اُٹھا
شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اُٹھا

عمر گذری مجھے بیمار ہی رہتے ہے بجا
دل عزیزوں کا اگر میری عیادت سے اُٹھا

یک پارہ جیب کا بھی بجا میں نہیں سیا
وحشت میں کوئی سیا سو کہیں کا کہیں سیا

دل پہنچا ہلاکت کو پنٹھ کھینچ کسالا
لے یار مرے سلۂ اللہ تعالیٰ

جس گھر میں ترے جلوے سے ہو چاندنی کا فرش
وہاں چادر مہتاب ہے مکڑی کا سا جالا

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث
برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا
ایک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا

افسوس میرے مردہ پر اتنا نہ کر کہ اب
پچتاوا ناجمت ہے جو ہونا تھا ہو چکا

ایک چشمک پیالہ ساقی بہار عمر
جھپکی لگی کہ دور یہ آخر ہی ہو چکا

ہر صبح حادثہ سے یہ کہتا ہے آسمان
دے جام خون میرؔ کو گر منہ وہ دھو چکا

میں بھی دنیا میں ہوں ایک نالہ پریشاں یکجا
دل کے سو ٹکڑے میرے اور سبھی نالاں یکجا

سر سے باندھا ہے کفن عشق میں تیرے یعنی
جمع ہم نے بھی کیا ہے سر و ساماں یکجا

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا
خانہ خراب ہو اس جیو کی چاہ کا

آنکھوں میں جیو مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا

یک قطرہ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پناہ کا

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن سمیل کے پھن
ہوگا کہیں میں ہاتھ کسی دادخواہ کا

کیا طرح ہے آشنا گاہے، گہے ناآشنا
یا تو بیگانہ ہی رہیو، ہو جیو یا آشنا

پائمال صد جفا ناحق نہ ہوا ے عندلیب
سبزۂ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا

قطعہ

بُلبلیں رو رو کے یہ کہتی تھیں ہوتا کاش کے
یک مژہ رنگ قراری اس چمن کا آشنا

گو گل و لالہ کہاں سنبل و سمن اور نسترن
خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا

کیا دن تھے مرے کہ یہاں بھی دل آرمیدہ تھا
رو آشیاں طائر رنگ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک و گریباں دریدہ تھا

حاصل نہ پوچھ باغ شہادت کا بوالہوس
یہاں پھل ہر یک درخت کا حلق بریدہ تھا

مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی
ہر نالہ میری جان کو تیغ کشیدہ تھا

خواہ مجھ سے لڑ گیا اب خواہ اس سے مل گیا
کیا کہوں اے ہم نشیں میں تجھ سے حاصل دل گیا

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا
کھپ گئی جیو میں تیری بانکی ادا

خاک میں مل کے سیماب سمجھے
بے ادائی تھی آسماں کی ادا

سُنو ہو جل ہی بجھوں گا کہ ہوا ہوں میں
چراغ مضطرب الحال صبح گاہی کا

گرچہ سردار مزوں کا ہے اسیری کا مزا
چھوڑ لذات کو اور لے تو فقیری کا مزا

اسے کہ آزاد ہے ٹک چکھ نمک مرغ کباب
تا تو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا

موندر کھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے
کچھ نہیں آسا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب

مت ڈھلک مژگاں سے میرے اے سرشک آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

دیکھ خورشید تجھ کو اے محبوب
عرق شرم میں گیا ہے ڈوب

میر شاعر بھی زور کوئی تھا
دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

دست صیاد ملک بھی میں نہ پہنچا جیتا
بے قراری میں لیا مجھ کو تہہ دام بہت

سہل سمجھیں تجھے دشواریاں عاشق کی آہ
حسرتیں کتنی گرہ تھیں رشتہ ایک جان کے بیچ

حال گلزار زمانہ کا ہے مانا یہ شفق
رنگ کچھ اور ہی ہو جائے ہے اک آن کے بیچ

تاک کی چھاؤں میں جوں مست پڑے سوتے ہو
اینڈتی ہیں نگہیں سایۂ مژگاں کے تلے

نکلے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
ابھریں گے دل سے عشق ترے راز میرے بعد

بن گل ہوائے آہ میں تو جا کے لوٹیو
صحن چمن میں لے پر پرواز میرے بعد

میرے سنگ مزار پر فرہاد
رکھ کے تیشہ کہے ہے یا اُستاد

ادھر تلک ہے عرش کے مشکل سے تک گزر
اے آہ پھر اثر تو ہے برچھی کی چوٹ پر

ہم تو اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے
اے اشتیاق سیر چمن تیری کیا خبر

پاس رہنے کا نہیں ایک بھی تار آخر کار
ہاتھ سے جائے گا سر رشتہ کلا آخر کار

نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی اے جرس بہتر
نہیں اس قافلے میں اہل دل ضبط نفس بہتر

نہ ہونا ہی بھلا تھا سامنے مجھ چشم گریاں کے
نظر اے ابر اب آپ ہی نہ آوے گا برس بہتر

دکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
اے انتظار تجھ کو کسی کا ہوا انتظار

ساقی تو ایک بار تو توبہ توڑا میری
توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

کر رحم تک کب لگ ستم مجھ پر جفا کا اس قدر
ایک سینہ خنجر سینکڑوں ایک جان و آزار اس قدر

بھاگے مری صورت سے وہ عاشق میں اس کی شکل پر
ہیں اس کا خواہاں یہاں تک وہ مجھ سے بیزار اس قدر

قطعہ

دل دماغ اور جگر یہ سب اک بار
کام آئے فراق میں اے یار

کیوں نہ ہو فتح ضعف اعضا پر
مر گئے اس فسون کے سردار

مجکو پوچھا بھی نہ یہ کون ہے غمناک ہنوز
ہو چکی حشر میں روتا ہوں تہہ خاک ہنوز

اشک کی لغزش مستانہ پہ مت کیجو نظر
دامن دیدۂ گریاں ہے مرا پاک ہنوز

باقی نہیں ہے دل میں یہ غم ہے بجا ہنوز
ٹپکے ہے خون دمبدم آنکھوں سے تا ہنوز

احوال نامہ بر سے مرا سُن کے کہہ اُٹھا
جیتا ہے وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز

بارہا چل چکی تلوار تری چال پہ شوخ
تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز

منظر قتل کے وعدہ کا ہوں اپنے یعنی
جیتا مرنے کو کہا ہے یہ گنہگار ہنوز

اے ابر تر تو اور کسی سمت کو برس
اس ملک میں ہماری ہیں یہ چشم تر ہی بس

حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا
اک برگِ گل گرا نہ جہاں تھا میرا قفس

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس
آہ افسوس صد ہزار افسوس

یوں گنواتا ہے دل کوئی مجکو
یہی آتا ہے بار بار افسوس

آج کل کا ہے کو بتلاتے ہو گستاخی معاف
راستی یہ ہے کہ وعدے ہیں تمہارے سب خلاف

پانو پر سے اپنے میرا سر اُٹھانے مت جھکو
تیغ باندھی ہے میاں تم نے کمر میں خوش خلاف

سب پہ روشن ہے کہ شب مجلس میں جب آتی ہے شمع
تجھ بھبھوکے سے کو بیٹھا دیکھ بجھ جاتی ہے شمع

بالیں پہ میرے گھر سے تو آوے گا جب تلک
کر جاؤں گا سفر ہی میں دنیا سے تب تلک

اتنا دن اور دل سے تپش کرے کاوشیں
یہ مجملہ تمام ہی ہے آج شب تلک

نقاش کیوں نہ کھینچ چکا عشبہ یار
کھینچوں ہوں ایک ناز ہی اس کے میں اب تلک

فصلِ خزاں میں سیر کی ہم نے بھی جائے گل
چھانی چمن کی خاک نہ تھا نقش پائے گل

اللہ رے عندلیب کی آواز دلخراش
جیو ہی نکل گیا جو کہا ان نے ہائے گل

گل کی جفا بھی دیکھی، دیکھی وفائے بلبل
یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

بھلا تم نقد دل لے کر ہمیں، دشمن گنواب تو
کبھی کچھ ہم بھی کر لیں گے حساب دوستان دل

کیا بلبل اسیر ہے بے بال و پر کہ ہم
گل کب رکھے ہے ٹکڑے جگر اس قدر کہ ہم

جیتے ہیں تو دکھا دیں گے دعوائے اجتناب
گل بن خزاں میں اب کے وہ رہتی ہے مر کہ ہم

گرچہ آوارہ جوں نسیم ہیں ہم
لیک لگ چلنے کو بلا ہیں ہم

آستاں پر ترے گذر گئی عمر
اسی دروازے کے گدا ہیں ہم

تیرے کوچہ میں تا بمرگ رکھا
کشتۂ تمکنت وفا ہیں ہم

ہم چشم ہے ہر آبلہ پا کا مرا اشک
از بسکہ تیری راہ میں آنکھوں سے چلا ہوں

دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستمگر
ہوں خاک سر راہ کوئی دم میں ہوا ہوں

آتے ہیں مجھے خوب یہ دونوں ہنر عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں

گر تک ہو درد آئینہ کو چرخ زشت میں
ان صورتوں کو صرف کرے خاک دلخشت میں

تو گلی میں اس کی جا آوے اے صبا نہ چنداں
کہ گڑے ہوئے پھرا کھڑیں دل چاک دردمنداں

تیرے تیر ناز کے جو یہ ہدف ہوئے ہیں ظالم
مگر آہنیں تو سے ہیں جگر نیاز مندان

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں
اس غمکدے میں آہ دل خوش کہیں نہیں

آگو تو لعل نوخط خوباں کے دم نہ مار
ہر چند اے مسیح وہ باتیں رہیں نہیں

سن گوش دل سے اب تو سمجھ بے خبر کہیں
مذکور ہو چکا ہے مرا حال ہر کہیں

اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں
اطراف باغ ہوں گے پڑے مشت پر کہیں

کیا میں نمیں رو کر فشار گریباں
رگ ابر تھا تار تار گریباں

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں

ٹک سُن کہ سو برس کی ناموس خامشی کھو
دو چار دن کی باتیں اب منھ پر آئیاں ہیں

مرے آگو نہ شاعر نام پاویں
قیامت کو مگر حرصہ میں آویں

نہ ایک یعقوب رویا اس الم میں
کُوا اندھا ہوا یوسف کے غم میں

تیری زلفِ سیہ کی یاد میں آنسو ٹپکتے ہیں
اندھیری رات ہے برسات ہے جگنو چمکتے ہیں

عام حکم شراب کرتا ہوں
محتسب کو کباب کرتا ہوں

ٹک تو رہ لے بنائے ہستی تو
تجھکو کیسا خراب کرتا ہوں

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی بندہ میں کچھ رہا نہیں

بوئے گُل اور رنگ گُل اللہ ہی اللہ ہے نسیم
ایک بقدر یک نگاہ دیکھیے تو وفا نہیں

ایسے محروم گئے ہم تو گرفتارِ چمن
کہ موئے قید میں دیوار بہ دیوارِ چمن

سینہ پر داغ کا احوال میں پوچھوں ہوں نسیم
یہ بھی تختہ کبھی ہووے گا سزاوارِ چمن

خوں ٹپکتے ہے پڑا فوک سے ہر ایک کے ہنوز
کس ستمدیدہ کے مژگان ہیں یہ خارِ چمن

عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو میر سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں

میں وہ پژمردہ سبزہ ہوں کہ ہو کر خاک سے سرزد
یکایک آگیا اس آسماں کی پائمالی میں

مرے اُستاد کو فردوسِ اعلیٰ میں ملے جاگہ
نہ سکھلا یا بغیر از عشق مجکو خورد سالی میں

آہ اور اشک ہی سدا ہے یہاں
روز برسات کی ہوا ہے یہاں

جس جگہ ہو زمیں تفسہ سمجھ
کہ کوئی دل جلا گڑا ہے یہاں

یہ غلط کہ میں پیا ہوں قدح شراب تجھ بن
نہ گلے سے میرے اُترا کبھی قطرہ آب تجھ بن

یہ ہے بستی عاشقوں کی کبھی سیر کرنے چل تو
کہ محلے کے محلے ہیں پڑے خراب تجھ بن

میں لہو پیو ہوں غم میں عوضِ شراب ساقی
شب تیغ ہو گئی ہے شب ماہتاب تجھ بن

کٹی عمر میری ساری جیسے شمع باؤ کے بیچ
یہی رونا جلنا گلنا یہی اضطراب تجھ بن

نسیم مصر کدا آئی سواد شہر کنعاں کو
کہ بھر جھولی نہ یہاں سے لے گئی گلہائے حرماں کو

کوئی کا نخاسرہ کا ہماری خاک پر بس ہے گل گلزار کیا درکار ہے گور غریباں کو

زبانِ نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا لایا تھا
میری طینت میں یارب سودۂ دلہائے نالاں کو

گل و سنبل ہیں نیرنگ قضاست سرسری گزرے
کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بناتے اس گلستاں کو

کریں بال ملک فرش رہ اس ساعت کہ محشر میں
لہو ڈوبا کفن لاویں شہیدِ نازِ خوباں کو

صدائے آہ جیو کے پار ہوئی ہے تیری شاید
کسی بیدرد نے کھینچا کسی کے دل کے پیکاں کو

کیا یسر اس خرابہ کا بہت اب چل کے سو رہیے
کسو دیوار کے سایہ میں منہ پر لے کے داماں کو

کیا ہے گر بدنامی و حالت تباہی بھی نہ ہو عشق کیسا جس میں اتنی روسیاہی بھی نہ ہو

جب سے جہاں ہے ہر سحر تیری کروں ہوں جستجو
خانہ بہ خانہ، در بہ در، کوچہ بہ کوچہ، کو بہ کو

ہم نکھوں سے دل تلک ہیں چشمے خوان آرزو
نو امیدیاں ہیں کتنی ہی مہمانِ آرزو

اس محلے کو سیر کروں کب تلک کہ ہے
دستِ ہزار حسرت و دامانِ آرزو

دلِ پُرخوں ہے یہاں تجکو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ

شیشہ بازی تو نک ایک دیکھنے آ آنکھوں کی ہر مژہ پر مرے اشکوں سے رواں ہے شیشہ

قطعہ

جا کے پوچھا جو میں کل کارگہِ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ
کہنے لاگے کہ کدھر بہکا پھرا ہے اے مست
ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے کہ یہاں ہے شیشہ
دل ہی سارے تھے یہ اک وقت میں جوکر کے گداز
شکل شیشہ کی بنائیں ہیں کہاں ہے شیشہ

جو ہوشیار ہو سو آج ہو شراب زدہ — زمینِ میکدہ یکدست ہے گی آب زدہ
بنے یہ کیونکے ملے تو ہی یا ہمیں سمجھیں — ہم اضطراب زدہ اور تو حجاب زدہ
کہتے ہیں اڑ بھی گئے جل کے پر پروانہ — کچھ سُنی سوختگاں نے خبرِ پروانہ
سعی اتنی تو ضروری ہے اُٹھے بزم سلگ — اے جگر تفتگیٔ بے اثر پروانہ
بزمِ دنیا کی تو دل سوزی سُنی ہوگی میر — کس طرح شام یہاں ہو سحرِ پروانہ

اس اسیری کے نہ کوئی اے صبا پالے پڑے
یک نظر گُل دیکھنے کے بھی ہمیں لالے پڑے
حُسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش
رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے
اس واسطے کانپوں ہوں کہ ہے آہ نپٹ سرد
یہ باؤ کلیجے کے کہیں پار نہ ہووے
کرے ہے خندۂ دنداں نما تو میں بھی روؤں گا
چمکتی زور ہے بجلی مقرر آج باراں ہے
چمن پر نوحہ و زاری سے ہے کس گل کا یہ ماتم
جو شبنم ہے تو گریاں ہے جو بلبل ہے تو نالاں ہے

الم سے یہاں تئیں میں مشق ناتوانی کی کہ میری جان نہیں تن پر میرے گرانی کی
چمن کا نام سنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی
سمجھے ہے دل پروانہ تھا نبے ہے زباں شمع
وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے
لیتا ہی نکلتا ہے میرا لخت جگر اشک
آنسو نہیں گویا کہ یہ تیرے کی کنی ہے
اے میر جگر ٹکڑے ہوا دل کی طپش سے
شاید کہ میرے جیو پر اب آن بنی ہے
گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی رشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی
اپنے کوچہ میں نکلیو تو سنبھالے دامن یادگار مژۂ میر ہیں واں خار کئی
صبح سے بن علاج تو خوش ہے تیرا بیمار آج تو خوش ہے
میر پھر کہیو سرگزشت اپنی بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ہے
مر ہی جائیں گے بہت ہجر میں ناشاد رہے
بھول تو گئے ہو ہمیں پر یہ تمہیں یاد رہے
ہم سے دیوانہ پھریں شہر میں سبحان اللہ
دشت میں قیس پھرے کوہ میں فرہاد رہے
میرے دودِ دل کا تو یہ جوش ہے کہ عالم جوانِ سیہ پوش ہے
گیا روبرو اس کے کیوں آئینہ کہ بیہوشی اوس کا دم اور ہوش ہے
اچنبھا ہے اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آوے
وگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اس کو خواب آوے
لپیٹا ہے دلِ سوزاں کو اپنے میر نیں خط میں
الٰہی نامہ بر کو اس کے لے جانے کی تاب آوے

اس دشت میں اے سیل سنبھل ہی کے قدم رکھ
ہر سمت کو یاں دفن مری تشنہ لبی ہے

بتاں تو چھوڑ دیتے کر کے خاکِ راہ کے صدقے
مجھے محفوظ رکھا اپنے میں اللہ کے صدقے

کیا خط لکھوں میں گریہ سے فرصت نہیں ذرا
لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بھی سہی

لوں کیونکہ ہم رنگ ہو تجھ سے ظالم
ترا رنگ شعلہ مرا رنگ کاہی

اب خدا مغفرت کرے اس کو
صبر مرحوم تھا عجب کوئی

سبھوں کے خط لئے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہے
چلا ہے یار کے کوچہ کو اور مجھ سے چھپاتا ہے

ہو گئی شہر شہر رسوائی
اے مری موت تو بھلی آئی

میر جب سے گیا ہے دل تب سے
میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودائی

بارے نسیم ضعف سے کل ہم اسیر بھی
سنا ہٹے میں جیو کے گلستاں تلک گئے

صد کاروان وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاع دل کے خریدار مر گئے

تمام اس کے قد میں سناں کی طرح ہے
نکیلی پنڈھ اس جواں کی طرح ہے

قطعہ (بند)

اوڑے خاک گاہے رہے گاہ ویراں
خراب اور پریشاں یہاں کی طرح ہے

تعلق کرو میر اس پر جو چاہو
مری جان یہ کچھ جہاں کی طرح ہے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گزر گئے
بس اے تپ فراق کہ گرمی میں مر گئے

ناصح نہ روویں کیونکہ محبت کے جیو کو ہم
اے خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے

ہنگامہ میری نعش پہ تیری گلی میں ہے
لے جائیں گے جنازہ کشاں یہاں سے کب تجھے

کاتب کہاں دماغ جواب شکوہ اٹھائے
بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جائے

شب خواب کا لباس ہے عریانی میں یہ جب سوئیے تو چادر مہتاب تانیے
کب تلک جیوؔ رکے خفا ہووے آہ کرنے کی ٹک ہوا ہووے
بے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

ہے یہ بازار جنوں منڈی ہے دیوانوں کی یہاں دوکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی
خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک اے خانہ خراب یہی اک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی
کیونکہ کہیئے کہ اثر گریۂ مجنوں میں نہ تھا گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی
نہیں وسواس جیو گنوانے کے ہائے رے ذوق دل لگانے کے
میری تغییر حال پر مت جا اتفاقات ہیں زمانے کے

غافل میں رہا تجھ سے نپٹ تا بہ جوانی اے عمر گزشتہ میں تیری قدر نہ جانی
مدت سے ہیں ایک مشت پر آوارہ چمن میں نکلی ہے یہ کس کی ہوس بال فشانی
یہ جان اگر بیدؔ مولہ کہیں دیکھے رہ گئی ہے کسی مرغے پریشاں کی نشانی
بھاتی ہے مجھے ایک طلب بوسہ میں یہ آن
لکنت سی اُلجھ جا کے تجھے بات نہ آنی

بسکہ ہے گردون دوں پرور، دنی ہوئے پیوند زمیں یہ کشتی
بزم میں سے اب تو چل اے رشک صبح شمع کے منہ پر تو پھر گئی مُردنی
اس ستم دیدہ کی صحبت سے جگر لوہو ہے آب ہو جائے کہ یہ دل خلۂ پہلو ہے
دہر بھی میرؔ طرفہ مقتل ہے جو ہے سو کوئی دم کو فیصل ہے
روز کہتے ہیں ملنے کو خوباں لیکن اب تک تو روز اول ہے

قطعہ (بند)

ہجر باعث ہے بدگمانی کا غیرت عشق ہے تو کب کل ہے
مر گیا کوہکن اسی غم سے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

خنجر بکف وہ جب سے سفاک ہو گیا ہے
ملک ان ستم زدوں کا سب پاک ہو گیا ہے

دیوار کہنہ ہے یہ مت بیٹھ اس کے سائے
اُٹھ چل کہ آسماں سب کا واک ہو گیا ہے

زیر فلک بھلا تو رووے ہے آپ کو میر
کس کس طرح کا عالم یہاں خاک ہو گیا ہے

ساقی گھر چاروں اُور آیا ہے
دے بھی مے ابر زور آیا ہے

ذوق تیرے وصال کا، میرے
ننگے سر تا بہ گور آیا ہے

کل ہم سے اس سے بارے ملاقات ہو گئی
دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی

کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شام ہجر
سو زلفیں ہی بناتے اسے رات ہو گئی

گردش نگاہ مست کی موقوف ساقیا
مسجد تو شیخ جیو کی خرابات ہو گئی

کتنا خلاف وعدہ ہوا ہو گا وہ کہاں
تو میدی اور امید مساوات ہو گئی

اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہلے اس کے روبرو
رنجش کی وجہ میر وہ کیا بات ہو گئی

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے
ہر سر حرف پہ فریاد نہایت کیجے

قصد اگر امتحان ہے پیارے
اب تلک نیم جان ہے پیارے

سجدہ کرتے ہی سر کٹیں ہیں جہاں
سو ترا آستان ہے پیارے

میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

رباعیات (۱)

تجھ رہ سے محال ہے اُٹھانا مجکو
خبطی کہے کوئی کوئی سیانا مجکو

سر میرا لگا ہے نقش پائے تیرے
سجدہ کو خدا کے بھی بجانا مجکو

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا
میخانہ میں جوش بادہ نوشاں دیکھا

اک گوشہ عافیت جہاں میں ہم نے
دیکھا سو محلہ خموشاں دیکھا

---

(۱) پیرس: رباعی

کاہے کو کوئی خراب خواری ہوتا　　کاہے کو کسی پہ جان بھاری ہوتا
دلخواہ ملاپ ہوتا تو سہتے　　اے کاش کہ عشق اختیاری ہوتا

جگ میں جوں شمع پانو جل کر رکھنا　　یا بن کے بگولا ہاتھ مل کر رکھنا
آیا ہے قمار خانۂ عشق میں تو　　سر بازی ہے یہاں قدم سنبھل کر رکھنا

کیا کرے بیاں مصیبت اپنی پیارے　　دن عمر کے میری غم میں گزرے سارے
رنج و ضعف و بلا، مصیبت، محنت　　پنپا ہی نہ میں تو ان دکھوں کے مارے

پیغمبر حق نے حق دیکھا یا اس کا　　معراج ہے کمترین پایا اس کا
سایہ جو اسے نہ تھا یہ باعث ہے گا　　کل حشر کو ہو گا سب پہ پایا اس کا

دل مجھ پہ جلے نہ کیونکہ میرا بیتاب　　یہاں مجکو توقع ہے کہ لاتا ہے جواب
وہاں ان نے شراب پی کے مستی میں میر　　کر کھائے بھی نامہ بر کبوتر کے کباب

خاتمہ

بدانکہ ریختہ بر چندیں قسم است۔ از انجملہ آنچہ معلوم فقیر است نوشتہ می آید۔

اول آنکہ یک مصرعش فارسی و یک ہندی چنانچہ قطعہ (از) حضرت امیر (خسرو) علیہ الرحمۃ نوشتہ شد۔ دویم آنکہ نصف مصرعش ہندی و نصف (دیگرش) فارسی چنانچہ شعر میر معز (موسوی مرقوم) کہ نوشتہ آمد۔ سیوم آنکہ حرف و فعل فارسی (۲) بکار می برند و ایں قبیح است۔ چہارم آنکہ ترکیبات فارسی می آرند۔ اکثر ترکیب کہ مناسب زبان ریختہ می افتد، آں جائز است و ایں را غیر شاعر نمی داند و ترکیبے کہ نامانوس (۳) ریختہ می باشد، آں معیوب است و دانستن ایں نیز موقوف (بر) سلیقۂ شاعری است و مختار (۴) فقیر ہم ہمین است (کہ) اگر ترکیب فارسی موافق گفتگوئے ریختہ بود، مضائقہ ندارد۔ پنجم ایہام است کہ در شاعران سلف این (۵) فن رواج داشت۔ اکنوں طبعہا مصروف ایں صنعت کم است مگر بسیار بہ شستگی (۶) بستہ شود۔ و معنی ایہام اینست کہ لفظے (۷) کہ بر و بنائے بیت بود آں دو معنی داشتہ باشد، یکے قریب و یکے بعید و بعید منظور شاعر باشد و قریب متروک او۔ ششم انداز است کہ ما اختیار کردہ ایم و آں محیط ہمہ صنعتہا است۔ تجنیس (و) ترصیع (و) تشبیہ (و) صفائے گفتگو (و) فصاحت (و) بلاغت (و) ادا بندی (و) خیال وغیرہ۔ ایں ہمہ در ضمن ہمین است و فقیر ہم از ہمیں دیرہ محظوظم۔ ہر کرا دریں فن طرز خاص است، ایں معنی را می فہمد، با عوام کار ندارم۔ اینکہ نوشتہ ام برائے یاران من سند است

---

(۱) انجمن : اینکہ (۲) انجمن : پارسی

(۳) پیرس : نامناسب (۴) پیرس : و فقیر ہم ہمین اختیار کردہ است

(۵) انجمن : دریں (۶) پیرس : شکستگی (۷) پیرس : حرفے

نه برائے ہر کس زیرا کہ عرصۂ سخن وسیع است واز تلون چنستان ظہور آگہم۔ مصرع

ہر گلے را رنگ وبوے دیگر است

(وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ۔ وَتَمَّمَ بِالْخَیْرِ وَالْعَافِیَةِ)

ترقیمہ انجمن

تمام شد نکات الشعراء ہندی من تصنیف میر محمد تقی میر تخلص، بسبب الفرمائش حضرت سید عبدالولی صاحب وقبلہ عزلت تخلص۔ کاتب الحروف سید عبدالنبی ابن سید محمود ابن میر محمد رضا اصفہانی غفراللہ ذنوبہما وستر عیوبہما، در بلدۂ فرخندہ بنیاد ابد بنیاد۔ تحریر فی التاریخ ہفدہم رمضان المبارک ۱۱۷۲ھ یک ہزار یک صد وہفتاد و دو من الہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترقیمہ پیرس

بتاریخ ہفدہم شہر شوال روز چہار شنبہ ۱۱۷۳ھ ہجری در بندر سورت بموجب خواہش جمیع دوستاں بہ اتمام رسید۔